ہفت روزہ

ندائے خلافت

۲۲؍ فروری ۱۹۹۳ء

☆ اسلم بیگ — گھر کے بھیدی لنکا ڈھا رہے ہیں
☆ صبر محض یا عدم تشدد کا مرحلہ انقلابی عمل کی جان ہے
☆ اقبال کا خواب لفظ پاکستان نہیں، اسلام کا عدل اجتماعی

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا!

روزہ اور قرآن کی شفاعت

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الصِّیَامُ وَالْقُرْاٰنُ یَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ یَقُوْلُ الصِّیَامُ اَیْ رَبِّ اِنِّیْ مَنَعْتُہُ الطَّعَامَ وَالشَّھَوَاتِ بِالنَّھَارِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْہِ وَیَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُہُ النَّوْمَ بِاللَّیْلِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْہِ فَیُشَفَّعَانِ ——— (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے۔ (یعنی اس بندے کی جو دن میں روزے رکھے گا اور رات میں اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر اس کا پاک کلام قرآن مجید پڑھے گا یا سنے گا)۔ روزہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور نفس کی خواہش پورا کرنے سے روکے رکھا تھا، آج میری سفارش اِس کے حق میں قبول فرما (اور اِس کے ساتھ مغفرت و رحمت کا معاملہ فرما!)۔ اور قرآن کہے گا کہ: میں نے اس کو رات کے سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا۔ خداوندا آج اِس کے حق میں میری سفارش قبول فرما (اور اس کے ساتھ بخشش اور عنایت کا معاملہ فرما!) چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندہ کے حق میں قبول فرمائی جائے گی (اور اس کے لیے جنت اور مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جائے گا!) اور خاص مراحم خسروانہ سے اس کو نوازا جائے گا۔

قیمت فی شمارہ ۵ روپے

دل خون کے آنسو روتا ہے

ہندوؤں کی دیدہ دلیری ۔ اور مسلمانوں کی بے بسی اور بے حسی!

مڈل ایسٹ سے ایک مسلمان خاتون کی پرسوز پکار

محترم ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم!

آج کل یہاں ہندوؤں کا زور حد سے زیادہ بڑھ رہا ہے ۔ پورے مڈل ایسٹ سے ہندو سونے کی اینٹیں اور پیسہ بھیج رہے ہیں ۔ حد یہ ہے کہ اس پاک سرزمین میں ہی وہ حد سے زیادہ شیر ہوچکے ہیں ۔ بابری مسجد شہید ہونے پر انہوں نے خوب خوشیاں منائیں' مبارک باد دیتے رہے ایک دوسرے کو۔ مگر یہاں مسلمانوں کے بے حسی کا عجیب عالم ہے۔ انڈیا میں جو کچھ وہ کررہے ہیں اور کشمیر میں اب جو ہندوستان سے خواتین آتی ہیں کانپ رہی ہوتی ہیں وہاں کے واقعات سناتے ہوئے زاروقطار رورہی ہوتی ہیں ۔ یہ خبیث ہندو یہاں گھروں تک میں کام کررہے ہیں مگر ایک لمحہ کے لئے کوئی نہیں سوچتا کہ وہ یہاں بھی یہی حالات پیدا کرسکتے ہیں۔

ہندوستان کی خواتین بتاتی ہیں کہ ہندو کھلم کھلا کہتا ہے کہ وہ کعبہ تک جائیں گے ۔ خیر کعبہ تو اللہ کا گھر ہے وہ خود ذمہ دار ہے ۔ مگر پاکستان کے لئے بھی کھلم کھلا وہی ارادے ہیں اور خاص طور پر انہیں پاکستانی خواتین پسند ہیں۔ انڈیا میں وہ خواتین کی بے عزتی کرتے ہوئے ویڈیو فلمیں تیار کررہے ہیں اور ایک مشن یہ بھی ہے کہ زیادہ سے زیادہ ہندوؤں کے بچے مسلم خواتین کے بطن سے جنم لیں۔

یہ تمام حالات سن کر نیندیں حرام ہوگئیں ہیں اور پاکستانی ابھی تک آپس میں لڑنے میں لگے ہوئے ہیں۔ کراچی میں فوجی آپریشن کی آڑ میں جو کچھ اردو بولنے والوں کے ساتھ ہورہا ہے وہ نفرتوں میں کتنا اضافہ کررہا ہے ہزاروں لوگ بے روزگار کردیئے گئے ہیں۔ ایم کیو ایم نے جو نقصان پہنچایا عوام کو اس سے زیادہ صلاح الدین صاحب نے پرچہ چمکانے کے لئے خوب آنسو بہائے ۔ اب ان کا انصاف کہاں سو رہا ہے؟ جماعت اسلامی نے الگ پی پی کے ساتھ مل کر محاذ بنایا۔ قیامت آجائے گی پاکستان کا مسلمان اپنے Basic Right کے لئے اپنوں سے ہی لڑتا رہے گا۔ ادھر لگتا ہے پوری دنیا مسلمانوں کے خلاف ایک پلیٹ فارم پر جمع ہورہی ہے۔ ادھر کشمیری عوام ہیں جو پچاس سال سے پاکستان کے ساتھ زندہ ہیں' پورے پاکستان میں وہ اچھے عہدوں پر ہیں۔ کراچی میں بھی ہزاوں کشمیری مزدور طبقہ چوکیدار وغیرہ سب کام کر رہے ہیں ۔ ان کے لیڈر پاکستان کو ہی اپنا دشمن بتا رہے ہیں۔ مسلمان آج کشمیری ہے 'پٹھان ہے' مہاجر ہے' پنجابی ہے 'سندھی ہے' مگر مسلمان کہاں ہیں؟ مسلمان کو معلوم ہے کہ آخری آرام گاہ کے طور پر صرف اب دوگز زمین حصہ میں آئے گی مگر وہ امت مسلمہ میں تعصب کی آگ بھڑکا کر اپنی اس دوگز کی زمین میں انگارے بھرنے کی تیاری کررہا ہے

ہم غیر مسلموں سے شکست نہیں کھا رہے اپنوں کے ہاتھوں لٹ رہے ہیں۔ ہم اپنی قوتیں آپس میں ٹکرا کر ختم کررہے ہیں۔ آج کا اصل جہاد اس تعصب کے پھیلتے ہوئے کینسر کے خلاف ہونا چاہیے جس کی وجہ سے آدھا پاکستان ختم ہوگیا اور باقی پورا بری طرح Diseased ہے' بلکہ پوری امت مسلمہ اس بیماری میں مررہی ہے اور اس کی شفاء جو کتاب و سنت میں ہے اسے اپنانے کو کوئی تیار نہیں۔ میں کبھی کبھی غصہ میں اس موضوع پر اپنی دوستوں میں بات کرتی ہوں تو وہ طنزیہ کہتی ہیں واہ آپ تو لیڈر بن گئیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے میں نے پیسے جمع کرنے کی درخواست کی تو پاکستانی خواتین کہتی ہیں کہ بوسنیا کے لئے کرو۔ کشمیری مجاہدین کے نام پر پیسہ مانگو تو کہتے ہیں کہ وہ الگ ہوکر آزاد کشمیر گلگت وغیرہ کو بھی جدا کرکے پاکستان کو کمزور کرے گا' ہم نہیں دیتے۔ یہ پوائنٹ صحیح ہے مگر کیا اس لئے مدد نہ کریں؟

خدارا کوئی ویڈیو کیسٹ تیار کردیں اس تعصب کی لعنت کے خلاف۔ آپ کی لوگ بہت عزت کرتے ہیں 'پسند کرتے ہیں ۔ ایک ویڈیو کیسٹ اردو میں خاص طور پر پاکستان انڈیا اور کشمیر کے مسلمانوں کے لئے اور ایک محتاط انداز میں انگلش میں' جو ہم رابطہ عالم اسلامی کے ذریعہ دنیا میں پھیلا سکیں کہ مسلمان پہلے مسلمان ہیں 'بعد میں عرب 'عجم 'گورا یا کالا ہے۔ اگر آپ نے یہ کام نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ سے ضرور شکایت کروں گی اور آپ جانتے ہیں کہ اللہ چیونٹی کی بھی فریاد سنتا ہے' میں تو پھر اس کی

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

"عالم اسلام اب محض ایک بھیگی بلی ہے"

مسلمانوں کے منہ پر "واشنگٹن پوسٹ" کا طمانچہ

آخر کیا وجہ ہے کہ بوسنیا کے مسلمانوں کی عالم اسلام سے مدد آنے کی امیدیں دھری کی دھری رہ گئیں' جہاد تو دور کی بات ہے ۔ تیل پیدا کرنے والے مسلم ممالک سربیا کو تیل کی فراہمی روک کر اس کی شہ رگ پر ہاتھ ڈال سکتے تھے' بوسنیا کے مسلمان آج جس طرح بے دردی کے ساتھ قتل کئے جارہے ہیں اس سے بڑی کون سی تباہی آئیگی جب اسلام جوش میں آئیگا ۔ گویا اسلام کو شیر کی طاقت حاصل ہونے کا جو شہرہ تھا اسے قصہ ماضی سمجھو اب تو وہ ایک بھیگی بلی ہے

(دی واشنگٹن پوسٹ ۳۰ نومبر ۹۲ء)

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

○

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

جلد ۲ شمارہ ۸
۲۲ فروری ۱۹۹۳ء

3

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

○

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
مرکزی دفتر: ۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

مقام اشاعت
۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

○

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ، لاہور

○

قیمت فی پرچہ: ۵/- روپے
سالانہ زرتعاون (اندرون پاکستان) ۱۰۰/- روپے

○

زرتعاون برائے بیرون پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۱۰ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۸ ″ ″
افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۱۰ ″ ″
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۱۲ ″ ″

افتتاحیہ

جادو کی چھڑی

پچھلے چند روز کے اخبارات پر نگاہ ڈالیں تو کچھ اس قسم کی سرخیاں پڑھنے کو ملتی ہیں

"ملک کی قسمت تبدیل کرنا چاہتا ہوں' رکاوٹ ڈالنے والوں کے ہاتھ توڑ دوں گا"

"اللہ نے وزیر اعظم بنایا' ووٹ کی ضرورت نہیں"

"نظام کی خرابیوں پر خاموش تماشائی نہیں رہ سکتا" (نواز شریف)

یہ سلسلہ "جہاں ظلم وہاں نواز شریف" گذشتہ کئی ماہ سے جاری ہے اور اسے خاصی تشہیر دی جارہی ہے۔ جہاں تک ایک شخص کا ذاتی سطح پر ظلم کے خلاف جہاد کا تعلق ہے ہم اسے غیر اہم تصور نہیں کرتے اور اس امکان کو بھی رد نہیں کرتے کہ نواز شریف صاحب جو کچھ زبان سے کہہ رہے ہیں وہ فی الواقع ان کے دل کی آواز ہو' مگر مسئلہ یہ ہے کہ نواز شریف صاحب اس ملک کے وزیر اعظم ہیں' اور جیسا کہ انہوں نے بجا طور پر فرمایا ہے ان کا واسطہ ایک غلط نظام سے ہے' جس کے ساتھ لامحالہ ایک مخصوص طبقہ کے مفادات وابستہ ہیں' جنہیں تحفظ فراہم کرنا اس طبقہ کی ذمہ داری ہے' اور ظاہر ہے کہ یہی طبقہ نواز شریف صاحب کی اصل طاقت ہے۔ جہاں تک ایسے لوگوں کا تعلق ہے جو بظاہر موجودہ نظام میں تبدیلی لانے کے خواہاں ہیں اور حکومت بنانے میں جن کی بھرپور تائید نواز شریف صاحب کو حاصل تھی وہ یوں لگتا ہے کہ ایک ایک کر کے ان سے الگ ہو رہے ہیں۔

دوسری طرف کسی بھی حکومتی ادارے کی شہرت ایسی نہیں رہ گئی جسے قابل رشک کہا جا سکے۔ ہماری نوکر شاہی بدنامی کی حد تک جانبداری اور نااہلی کی مثال پیش کر رہی ہے۔

لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ نواز شریف صاحب کے پاس آخر کون سی جادو کی چھڑی ہے جس کے ذریعے وہ ملک کی کایا پلٹ دینے کا مژدہ قوم کو سنا رہے ہیں۔

بلاشبہ ایک طاقت ایسی ہے اگر وہ ساتھ ہو تو اکیلا نواز شریف' کروڑوں نہیں تو لاکھوں میں ایک کہلا سکتا ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی طاقت کہ جو مسبب الاسباب ہے اور سب پر غالب ہے۔ وہی ہے جس نے اسلام کے وعدے پر نواز شریف کو اقتدار بخشا ہے۔ دلوں کے بھید تو وہی اللہ جانتا ہے لیکن خلق خدا کی زبان تو یہ کہتی ہے کہ نواز شریف نے اللہ کو (نعوذ باللہ) دھوکہ دیا ہے۔

ہم نے یہاں کس کس شے کو بدنام نہیں کیا' یہاں تک کہ اسلام کو بدنام کر کے چھوڑا۔ ایسا نہ ہو کہ ایک دوسرے پر رہا سہا اعتماد بھی جاتا رہے! ○○

الہدیٰ

سورۃ البقرہ
(آیات ۱۴۹-۱۵۰)

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اور جہاں کہیں سے بھی تم نکلو تو اپنا رخ مسجد حرام ہی کی طرف کرو۔ اور بے شک یہی حق ہے تمہارے رب کی جانب سے اور اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے جو کچھ تم کرتے ہو○

(کہ اگرچہ تحویل قبلہ کے ضمن میں آیت ۱۴۴ میں اصولی طور پر یہ حکم بیان ہو چکا ہے کہ آدمی جہاں کہیں بھی ہو وہ استقبال قبلہ کے لئے بیت اللہ ہی کی جانب رخ کرے لیکن یہاں حالت سفر کے بارے میں اس حکم کا اعادہ فرما کر بات کو بالکل واضح کر دیا کہ ایک مسلمان کو خواہ وہ حالت سفر میں ہو یا حضر میں' بہر صورت بوقت نماز بیت اللہ ہی کا رخ کرنا ہے۔ یہی اللہ کا مقرر کیا ہوا حقیقی قبلہ ہے جس سے بے اعتنائی حالت سفر میں بھی ہرگز پسندیدہ نہیں۔ اور جو کوئی اس معاملے میں بے پروائی اور تساہل کا معاملہ کرے گا وہ جان لے کہ اللہ اس کی حرکتوں سے غافل نہیں ہے! گویا حضر کی طرح حالت سفر میں بھی قبلہ کا اہتمام ضروری ہے۔ تاہم یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ سفر میں بعض اوقات قبلے کا تعین چونکہ آسان نہیں ہوتا لہٰذا جو وسائل تحقیق میسر ہوں انہیں بروئے کار لا کر قبلے کے رخ کا جو بھی اندازہ ٹھہرایا جائے اسی کے مطابق نماز ادا کر لینی چاہیے۔ شریعت کا منشاء و مقصود اصلاً یہی ہے!)

اور جہاں کہیں سے بھی تم نکلو تو اپنا رخ کرو مسجد حرام ہی کی طرف' اور جہاں کہیں بھی تم لوگ ہوا کرو تو اپنے رخ کرو اسی کی جانب تاکہ لوگوں کے لئے تمہارے خلاف کوئی حجت باقی نہ رہے' سوائے ان کے جو ان میں ظالم ہیں۔ تو ان سے مت ڈرو اور مجھی سے ڈرو

(معاملے کی اہمیت کے پیش نظر اور اس مسئلے کے تمام گوشوں کا جامعیت کے ساتھ احاطہ کرنے کے لئے تحویل قبلہ کے حکم کو ایک بار پھر دہرایا گیا کہ تم خواہ کسی بھی کیفیت میں اور کسی بھی مکان میں ہو' خواہ سفر میں ہو یا حضر میں' اب اس حکم کے نزول کے بعد آئندہ تمہیں مسجد حرام ہی کی جانب رخ کر کے نماز پڑھنی ہے' اسی کو اپنا مستقل قبلہ بنانا ہے' اور ساتھ ہی اس حکم کی علت بیان فرما دی کہ اس حکم کی اصل غرض یہ ہے کہ لوگوں کے پاس اور بالخصوص یہود کے پاس تمہارے خلاف کوئی حجت اور دلیل باقی نہ رہے۔ یہود میں سے بھی جو کتاب کا علم رکھنے والے تھے وہ جانتے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ کا قبلہ یہی کعبۃ اللہ تھا۔ تو جتنا عرصہ مسلمان بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے رہے' انہیں یہ اعتراض رہا کہ ملت ابراہیمی کی پیروی کا دعویٰ کرنے والوں کا قبلہ تو بیت اللہ ہی ہونا چاہیے' اسی طرح یہود کی جانب سے یہ مخالفانہ پراپیگنڈہ بھی ہوتا تھا کہ قبلے کے معاملے میں اگر مسلمان ہماری پیروی کرتے ہیں تو شریعت کے دیگر احکام میں وہ ہمارے دین کا اتباع کیوں نہیں کرتے!--- انہیں پورے طور پر ہمارا تبع ہونا چاہیے--- تحویل قبلہ کے حکم کے بعد یہود کے لئے اب اس نوع کے کسی اعتراض کا موقع نہ ہوگا۔ ہاں جو ڈھٹائی کے ساتھ اعتراض کرنے پر تل جائے تو اس کی زبان تو پکڑی نہیں جا سکتی لیکن اس حقیقت کے واضح ہو چکنے کے بعد کہ ملت ابراہیمی کا اصل قبلہ' بیت اللہ ہے اور تحویل قبلہ کا یہ حکم پورے طور پر مبنی بر حق ہے' ایسے معاندین کے بے بنیاد مخالفانہ پراپیگنڈے سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان کے اعتراضات سے خوفزدہ ہونے کی بجائے اللہ سے ڈرو اور اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچو!--- ایک بندہ مومن کا شعار تو یہی ہونا چاہیے!)

اور تاکہ میں تمام کروں اپنی نعمت تم پر' اور تاکہ تم راہ یاب ہو○

(تحویل قبلہ کا یہ حکم دراصل اللہ کی طرف سے مسلمانوں پر اتمام نعمت کا ایک مظہر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دین کی تکمیل ہوئی اور آپ کا قبلہ بیت اللہ قرار پایا جو تمام عالم کے لئے خیر و برکت کا سرچشمہ ہے--- یہ قبلہ ملت ابراہیمؑ کی علامت ہے' اسی ابراہیمؑ کی ملت کی جو سیدھی راہ پر گامزن تھا اور بالکل یکسو تھا' ہدایت و رہنمائی کا یہ نشان اگر مسلمانوں کے سامنے رہے گا تو اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ راہ یاب ہوں گے!)

اسلم بیگ --- گھر کے بھیدی لنکا ڈھا رہے ہیں

توہین عدالت کے نام پر زبان بندی درست نہیں!

ابتداء بہت پہلے ہوگئی تھی جب جسٹس منیر نے گورنر جنرل غلام محمد کے حق میں فیصلہ دیا تھا

عدلیہ کے کردار کا بھی احتساب ہونا چاہیے

عبدالکریم عابد

پاکستانی سیاست میں ساجھے کی ہنڈیا چوراہے پر پھوڑ دی گئی ہے۔ رازہائے سربستہ کے انکشاف کا سلسلہ چل پڑا ہے۔ روز ایک نیا انکشاف سامنے آتا ہے۔ سابق نگران وزیراعظم جتوئی کے انکشافات' کور کمانڈر عالم جان محسود کے انکشافات' آئی ایس آئی کے بریگیڈیئر یوسف کے انکشافات' لیکن جو ہنگامہ جنرل اسلم بیگ کے انکشافات پر ہوا ہے وہ سب سے زیادہ ہے اور ہر طرف لے دے ہو رہی ہے کہ بیگ صاحب بڑی غداری کے مرتکب ہوئے ہیں کہ انہوں نے انتظامیہ' مقننہ' عدلیہ' سب کا پول کھول دیا حالانکہ پاکستانی عوام برسہا برس سے یہ راز جانتے ہیں کہ اس ملک میں ایسا کوئی ادارہ نہیں ہے جو آمروں کی دستبرد سے بچا ہو۔ سب کی مٹی پلید کی گئی اور ان آمروں کے سبب آج نہ اسمبلیاں محترم ہیں نہ انتظامیہ کا اعتبار ہے اور نہ عدلیہ آزاد رہ سکتی ہے۔

روز اول سے ہی حکمرانوں نے ہر آئین اور قانون کو مسخ کیا' ہر ادارے کی عزت خاک میں ملائی اور ہر نظریہ کو مذاق بنایا۔ اس لئے آج عوام کی حالت یہ ہے کہ وہ ملکی امور کو ایک بے اعتبار ذہن سے دیکھتے ہیں اور سیاستدان ہوں' فوجی جنرل ہوں یا آئین و قانون کے محافظ' سب انہیں کھلا دھوکہ دینے والے بازی گر نظر آتے ہیں۔ اور جنرل اسلم بیگ کے انکشافات بھی اس دھوکہ دہی اور بازی گری کی توثیق کرتے ہیں۔ عوام کو یہ دھوکہ اسی دن نظر آگیا تھا جس دن سپریم کورٹ کے جسٹس منیر نے فیصلہ دیا کہ گورنر جنرل غلام محمد ملکہ برطانیہ کے نمائندہ کی حیثیت میں مجلس دستور ساز توڑنے کے مجاز تھے اور انہوں نے جو کچھ کیا خوب کیا۔ اس مقدمے میں بے چارے مولوی تمیز الدین اکیلے نہیں تھے پوری قوم کو شکست ہوئی تھی اور ساری عدلیہ کا منہ کالا ہوگیا تھا' حالانکہ انگریز جو عدلیہ چھوڑ گیا تھا اس کی روایات میں اعلیٰ روایات کی کمی نہیں تھی۔ بمبئی کے گورنر جنرل نے فاضل عدالت کے ایک انگریز جج کے فیصلے کو اپنے خصوصی اختیارات کی بنا پر معطل کیا اور ایک ریاست کے اصل وارث کی بجائے حکومت کی پسند کے دوسرے وارث کو حکمراں نامزد کردیا۔ گورنر کے اس اقدام پر انگریز جج نے لکھا کہ اس ملک میں حکومت برطانیہ جنگل کا قانون چلانا چاہتی ہے' یہاں ہائی کورٹ کی ضرورت نہیں اس لئے میں عدالت کو ہمیشہ کے لئے بند کرنے کا حکم دیتا ہوں اور خود انگلستان روانہ ہو رہا ہوں۔ بعد میں بڑی مشکل سے حکومت اس انگریز جج کو منا کر ہندوستان واپس لائی اور ہائی کورٹ دوبارہ کھولی گئی اور گورنر جنرل نے اپنے خصوصی اختیار پر مبنی فیصلہ واپس لے لیا مگر اس گورنر جنرل کو خبر نہیں تھی کہ آئندہ برصغیر میں ایسا گورنر جنرل بھی آنے والا ہے جو ملکہ کی نمائندہ کی حیثیت میں ملکہ اور بادشاہ سے بڑھ کر اختیارات استعمال کرے گا۔ اس وقت ہماری سپریم کورٹ کے چیف جسٹس جناب منیر عدلیہ کی اعلیٰ روایات کی مطابقت میں کوئی فیصلہ دے سکتے تھے لیکن انہوں نے غلام محمد کے حق میں فیصلہ دیا اور کئی سال بعد اپنے

مضمون میں اعتراف کیا کہ یہ فیصلہ آئینی نکات کی وجہ سے نہیں' اس وقت کی سیاسی صورت حال کے پیش نظر دیا گیا تھا کیونکہ میرا مقصد ملک کو مارشل لاء سے بچانا تھا لیکن مارشل لاء سے بچنے کی خاطر عدالت کو خراب کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ مارشل لاء آیا اور اس نے عدلیہ کو مزید خراب و خوار کیا۔ ضیاء دور میں یہاں تک ہوگیا کہ ایک درجن ججوں نے ضیاء صاحب کا تجویز کردہ غیر آئینی حلف اٹھانے سے انکار کیا اور اپنی ملازمتوں کی قربانی دی۔ جو بے چارے نظریہ ضرورت کی بنا پر باقی رہ گئے تھے انہوں نے بھی بعد میں کہا کہ نظریہ ضرورت سے تجاوز ہوا ہے۔ ہم نے اس لئے سب کو برداشت کیا کہ حکومت نے الیکشن کرانے کا حتمی وعدہ کیا تھا لیکن "نظریہ ضرورت" کے نام پر الیکشن غتر بود کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ یہ کھلم کھلا عدالت کے ساتھ دھوکہ دہی کی واردات تھی۔ ان عدالتوں میں بھٹو کا مقدمہ بھی آیا' عام قاتلوں کے مقدمات بھی برسہابرس چلتے ہیں اور شاہراہ عام پر قتل کرنے والے بھی بری ہوتے رہے ہیں لیکن بھٹو کو پھانسی ملی' حالانکہ اس نے قتل کیا نہیں تھا کرایا تھا۔ اس مقدمہ میں جو تیزی اور طراری دکھائی گئی تھی وہ کسی حسن نیت کو نہیں ظاہر کررہی تھی۔ حکمران بھٹو کو اپنے اقتدار کی راہ میں بڑی رکاوٹ خیال کرکے اسے مٹا دینا چاہتے تھے اور عدالتوں نے حکمرانوں کی اس خواہش پر صاد کیا حالانکہ پھانسی کی بجائے طویل قید کی سزا بھی دی جاسکتی تھی لیکن حکمران پھانسی سے کم کسی چیز پر راضی نہیں تھے اس لئے انہوں نے ججوں میں ردوبدل کیا۔ کچھ کو سبکدوش کیا' کچھ نئے شامل کئے اور یہ اطمینان حاصل کیا گیا کہ پھانسی ہی ہوگی۔ بے چارے مولوی مشتاق ہم سے دور نہیں تھے' ماڈل ٹاؤن لاہور میں ہی وہ رہائش پذیر رہے اور جو کچھ وہ اپنی مجلسوں میں کہتے تھے اس کا حال ان کے ملاقاتیوں کو معلوم ہے۔

ایک فیصلہ شرعی عدالت کا بھی ہے کہ جس کی رو سے زرعی اصلاحات کو ناجائز قرار دے کر ملکیت زمین کو محدود کرنے کی کارروائی غیر اسلامی قرار دی گئی۔ یہ فیصلہ بھی کتاب آئین کا حصہ ہے اور اس پر عدالتی مہر بھی ثبت ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس قوم کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ ماضی کے عدالتی فیصلوں کی پڑتال کرے کہ یہ فیصلے کس پس منظر میں تھے اور صحیح تھے یا غلط۔ حکمرانوں نے توہین عدالت کی بندوق تان رکھی ہے حالانکہ دوسرے ملکوں میں عدالتی فیصلوں کے قانونی مضمرات اور پہلوؤں پر بحث کرکے فیصلے سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ بے شک فیصلہ عدالت ہی کا نافذ ہوگا کہ اس کا تعلق ہیئت حاکمہ سے ہے' لیکن جائزہ اور بحث و تمحیث کو توہین عدالت کے نام پر روکنا مہذب ملکوں کا دستور نہیں ہے۔ ایک مصلح قوم' ایک مورخ' ایک تجزیہ نگار کا یہ حق آپ سلب نہیں کرسکتے کہ وہ اس امر کی چھان بین کرے کہ جس عدالت نے سقراط کو زہر کا پیالہ دینے کا فیصلہ کیا تھا اس نے یہ صحیح کیا تھا یا غلط اور جو عدالت ڈاکو پر رحم کھا کر اسے چھوڑ دیتی ہے اور حضرت عیسیٰ کے لئے صلیب کا فیصلہ دیتی ہے وہ کیا عدالت تھی۔ ججوں کو تاریخ کے احتساب کا خوف ہوگا تو اس سے وہ مزید محتاط ہونگے۔ اس بنا پر عدالتی فیصلوں پر جرح و تعدیل اور ان کے پس منظر کی وضاحت کی روایت کو آگے بڑھنا چاہیے۔ قانونی طور پر اس میں کوئی بھی قانونی شق مانع نہیں ہے کہ آپ ماضی کے فیصلوں کی اصل حیثیت اور نوعیت کا تعین کریں۔ خاص طور پر ہمارے جیسے ملک میں جہاں مسلسل آمریتوں کے عشرے چلتے رہے اور عدالتی دائرہ میں بھی من مانی ہوتی رہی۔ یہ ضروری ہے کہ قومی تاریخ اور مستقبل پر اثر انداز ہونے والے تمام فیصلوں پر پھر سے فیصلہ ہو کہ صحیح تھے یا غلط' آزاد تھے یا کسی دباؤ کا نتیجہ تھے۔

جہاں تک جنرل اسلم بیگ کا تعلق ہے ان کے بارے میں اکثر لوگوں کا یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک بڑبولے شخص ہیں جن کے دل و دماغ میں مناصب عالیہ کی خواہشات کا طوفان موجزن ہے اور وہ پبلک کی نظر میں رہنا چاہتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو بھی یہ ان کا حق ہے اور اتنی بات پر ہاتھ دھو کر ان کے پیچھے پڑ جانا کسی طرح درست نہیں ہے۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ اسلم بیگ گھر کے بھیدی ہیں' حکمرانوں کی لنکا ڈھانے چلے ہیں۔ اس لئے ان کے خلاف غصہ ہے اور اس خفگی کی بنا پر مضمون نگاروں اور بیان بازوں کا طائفہ اخباری کالموں میں ان کے پیچھے چھوڑ دیا گیا ہے۔ دراصل حکمران اس خیال سے لرزہ براندام ہیں کہ ان کی قلعی کھل رہی ہے' ان کی سازشوں پر سے پردہ اٹھ رہا ہے۔ یہ سازشیں وہ ہیں جس میں جنرل اسلم بیگ نے بھی کردار ادا کیا مگر اس کردار کا صلہ دینے کی بجائے ان کا پتہ کاٹ دیا گیا اور جب پتہ کٹ گیا تو وہ اب کسی کا کیوں لحاظ کریں گے۔ ان کے پیچھے تو ویسے بھی سی ۱۳۰ طیارہ کے حادثہ کے سلسلہ میں پھانسی کا پھندہ لے کر لوگ پھر رہے ہیں۔ اس لحاظ سے پہلے ہی جان ہتھیلی پر ہے اور اس صورت حال میں اگر وہ خود ڈوبتے ہیں تو ڈوبنے سے پہلے اوروں کو بھی ساتھ لے ڈوبنا چاہیں گے۔ ویسے قانونی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اسلم بیگ اس کے مجاز تھے کہ عدالت کو اس جانب متوجہ کریں کہ بڑے عرصے کے بعد اور بڑی مشکلوں سے جماعتی انتخابات کا راستہ کھلا ہے اور فیصلہ جو بھی ہو لیکن اس راستہ کو مسدود نہیں ہونا چاہیے۔ یہ توجہ دلانے میں کوئی حرج نہیں' تھا بشرطیکہ اس کے لئے دھونس اور دباؤ کا حربہ استعمال نہ کیا گیا ہو۔ حربہ استعمال کیا گیا ہے تو پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان ججوں کو کیوں نہ پکڑا جائے جو یہ حلف لے چکے تھے کہ ہم فیصلے کسی دباؤ کا لحاظ کئے بغیر کریں گے۔ امید یہی ہے کہ انہوں نے حلف کی خلاف ورزی نہیں کی ہوگی کیونکہ دباؤ کی صورت ہوتی تو فیصلہ متفقہ نہیں ہوسکتا تھا۔ فاضل ججوں نے بھی سوچا ہوگا کہ جونیجو کے انتخابات دور آمریت میں ہوئے تھے اور ان کی جمہوری اساس نہیں تھی۔ اب جمہوری انتخابات ہو رہے ہیں تو ضیاء صاحب کے حکم کو غیر آئینی قرار دینے کے باوجود انہیں روکنا مناسب نہیں ہوگا۔ اس لحاظ سے ججوں نے بھی اچھا ہی کیا لیکن اسلم بیگ نے کوئی توہین عدالت کی تھی تو اس پر ججوں کو اس وقت کارروائی کرنی چاہیے تھی۔ اب پچھتائے کیا ہوت!

پھر جب اعجاز الحق نے کہا کہ اگر میرے والد زندہ ہوتے تو ججوں کا فیصلہ مختلف ہوتا تو اس پر کسی کو طیش نہیں آیا کہ یہ توہین عدالت ہے۔ وہ سب جو اس وقت منہ میں گھنگنیاں ڈالے بیٹھے رہے آپے سے باہر ہو رہے ہیں اور شور مچا رہے ہیں کہ دیکھنا پکڑا جانے نہ پائے! حالانکہ یہی لوگ تھے جو کہہ چکے ہیں' لکھ چکے ہیں کہ ہمارے جمہوریت دہندہ جنرل اسلم بیگ ہیں ورنہ وہ مارشل لاء بھی لگا سکتے تھے لیکن ان کی جمہوریت پسندی کے طفیل ہمیں جمہوریت ملی ہے۔ ویسے "ندا" کے صفحات گواہ ہیں کہ اس وقت ہمارا تجزیہ یہ تھا کہ جمہوریت اسلم بیگ نہیں دے رہے ہیں' امریکہ کا ڈنڈا دے رہا ہے اس کے "حکم" سے سرتابی کی مجال نہیں ہے۔ اور تعمیل حکم میں جمہوریت بھی دی گئی اور تخت اقتدار بھی جھٹ پٹ بے نظیر کے حوالہ کردیا گیا۔ بعد میں مناسب موقع دے کر اس تخت سے انہیں دھکا بھی دے دیا گیا۔ یہ سب راز نہیں ہیں پھر بھی بہت سے رازہائے سربستہ ہیں۔ اگر اسلم بیگ صاحب ان کا انکشاف کردیں تو قوم مشکور ہوگی اور وہ عنداللہ بھی ماجور ہونگے۔

نبی اکرمؐ کی بے مثال کامیابی کا اہم ترین راز

نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غار حرا پہلے!

صبر محض یا عدم تشدد کا مرحلہ انقلابی عمل کی جان ہے!

ڈاکٹر اسرار احمد

مسلمان مصنفین اور مفکرین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثناء اور عظمت کے بیان میں جو کچھ لکھا ہے اگر اس سب کو جمع کیا جائے تب تو یقیناً ایک پورا دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) مرتب ہو جائے گا' غیر مسلم اہل علم و دانش نے اس موضوع پر جو کچھ تحریر کیا ہے اس کے لئے بھی ایک ضخیم دفتر درکار ہے۔ پھر ع ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است" کے مصداق ہر صاحب بصیرت نے خود اپنے مزاج اور زاویہ نگاہ کی مناسبت سے آپؐ کی ہمہ گیر اور ہمہ جہت شخصیت کے کسی خاص پہلو کو اہمیت دی ہے اور اسے آپؐ کی عظمت کا اصل راز اسی پہلو میں مضمر نظر آیا ہے۔ تاہم اس معاملے میں غالباً" جامع ترین بات وہ ہے جو اب سے لگ بھگ پندرہ برس قبل امریکہ میں شائع ہونے والی کتاب "دی ہنڈرڈ" (The 100) کے مصنف ڈاکٹر مائیکل ہارٹ نے تحریر کی۔ سب جانتے ہیں کہ "مشاہیر عالم" "تصنیف و تالیف کا عام موضوع رہا اور اس پر ہر زبان میں متعدد کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ ان میں ڈاکٹر مائیکل ہارٹ کی متذکرہ بالا تالیف اس اعتبار سے بالکل منفرد ہے کہ اس میں تاریخ انسانی کی ان ایک صد عظیم شخصیتوں کا صرف "انتخاب" ہی نہیں کیا گیا جنہوں نے تاریخ کے دھارے کا رخ کسی اعتبار سے تبدیل کیا' بلکہ ان کے مابین " درجہ بندی" بھی کی گئی ہے۔ چنانچہ اس کتاب میں ان عظیم شخصیات کا تذکرہ بھی تاریخی اور زمانی ترتیب سے نہیں بلکہ عظمت و تاثیر کے درجات کے اعتبار سے ہے۔ بہر حال اس کتاب میں مصنف نے جب نبی اکرمؐ کو نمبر ایک پر رکھا یعنی آپؐ کو نوع انسانی کا عظیم ترین' اور موثر ترین فرد قرار دیا تو اس کی وجہ ایسے جامع الفاظ میں بیان کی جو خود اس کی اپنی ذہانت و فطانت پر دلالت کرتے ہیں یعنی "یہ اس لئے کہ آپؐ نوع انسانی کی وہ واحد شخصیت ہیں جو حیات انسانی کے مذہبی اور سیکولر دونوں میدانوں میں انتہائی کامیاب ہیں!"

واضح رہے کہ یہاں اس قول کا حوالہ صرف اس کی جامعیت کے پیش نظر دیا گیا ہے ورنہ آنحضورؐ کا تاریخ انسانی کی کامیاب ترین شخصیت ہونا بجائے خود اظہر من الشمس اور "آفتاب آمد دلیل آفتاب" کی سی بدیہی حقیقت ہے جسے کسی خارجی دلیل اور اضافی شہادت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اس معاملے کا عملی اعتبار سے اہم ترین پہلو' جس کی جانب اس وقت توجہ مبذول کرانی مقصود ہے' یہ ہے کہ آپؐ کی اس بے مثال کامیابی کا اصل راز کیا ہے؟

اس سوال کا ایک جواب تو باطنی اور تکوینی سطح پر ہے جس میں کسی صاحب ایمان کے لئے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ---- یعنی یہ کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے اس قول کے مطابق کہ "لا فاعل فی الحقیقت و لا موثر الا اللہ!" آپؐ کی کامیابی کا اصل سبب اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت اور تائید و نصرت ہے۔ اسی طرح اگر نگاہوں کو عالم اسباب پر مرکوز کرتے ہوئے صرف ایک جامع سبب متعین کیا جائے تو وہ بھی متفق علیہ ہی ہو گا یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے جانثار صحابہ رضی اللہ عنہم کی بے مثال جدوجہد اور کمال ہمت و استقامت۔ تاہم اگر ذرا تفصیل کے ساتھ اس جدوجہد کے مختلف مراحل اور اقدامات کا جائزہ لیا جائے اور یہ طے کرنے کی کوشش کی جائے کہ ان میں سے کونسا مرحلہ یا اقدام سب سے زیادہ موثر اور فیصلہ کن ثابت ہوا تو یہاں وہی صورت پیش آسکتی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا یعنی اختلاف رائے واقع ہو سکتا ہے اور مختلف لوگ اپنی اپنی افتاد طبع اور مزاج کی ساخت کے اعتبار سے مختلف اقدامات کو اہم ترین اور سب سے زیادہ "فیصلہ کن" قرار دے سکتے ہیں۔

اس معاملے میں عموماً نگاہیں فطری طور پر سلسلہ غزوات پر مرکوز ہیں۔ چنانچہ آپؐ کی سیرت مطہرہ پر جو کتابیں ابتدائی دور میں لکھی گئیں ان کا عنوان بھی "مغازی" ہی تھا اور ایک عام مسلمان آپؐ کی سیرت کے جن چند واقعات سے بالعموم واقف ہوتا ہے وہ بھی مدنی دور ہی سے متعلق ہوتے ہیں۔ پھر چونکہ مدنی دور ہی میں اسلام کا وہ تہذیبی اور معاشرتی ڈھانچہ اور صلوٰۃ' زکوٰۃ اور صوم و حج کا وہ اجتماعی نظام وجود میں آیا جس سے ایک عام مسلمان بالعموم واقف ہوتا ہے لہٰذا عوام کی اکثریت کے نزدیک آپؐ کی سیرت مطہرہ بھی عملاً صرف مدنی دور سے عبارت ہوتی چلی گئی اور آپؐ کی جان گسل جدوجہد کا اصل فیصلہ کن مرحلہ یعنی مکی دور "آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل" کے مصداق ذہنوں سے بھی غائب ہوتا چلا گیا۔

اس صورت حال میں جس تبدیلی کی ضرورت ہے اس کی جانب نہایت لطیف انداز میں توجہ دلائی ہے حضرت اکبر الہ آبادی نے (جنہیں علامہ اقبال نے اپنا "مرشد معنوی" قرار دیا تھا!) اپنے اس

حکیمانہ شعر میں کہ ۔

خدا کے کام دیکھو بعد کیا ہے اور کیا پہلے
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غارِ حرا پہلے!

تو اگرچہ غارِ حرا کی خلوتوں کے احوال و کوائف تو ع "اے برتر از خیال و گمان و قیاس و وہم!" کے مصداق ہمارے فہم و شعور سے بالاتر ہیں، لیکن آغاز وحی سے ہجرت مدینہ تک کے بارہ تیرہ سال کی محنت و مشقت کا تعلق تو عالم ظاہر اور عالم اسباب سے ہے۔ اور اس کے حالات اور واقعات تو معلوم و معروف ہیں ہی، ان کے بین السطور جو حکمت عملی کار فرما تھی وہ بھی انسانی عقل و فہم اور شعور و ادراک کے دائرے سے باہر نہیں ہے! لیکن افسوس کہ اس پر عوام تو کجا خواص نے بھی توجہ مرکوز نہیں کی۔ چنانچہ عہد حاضر کی اسلامی تحریکوں کی ناکامی کا ایک اہم سبب یہی ہے کہ انہوں نے آنحضورؐ کی سیرت مطہرہ کے مکی دور کی ایک اہم اور سب سے زیادہ فیصلہ کن "حکمت عملی" پر کماحقہ غور نہیں کیا۔ اور یہ بھی اسی کا افسوسناک ترین مظہر ہے کہ بعض مذہبی قائدین کو پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے لئے "بیلٹ" یعنی ووٹ کے سوا صرف ایک ہی متبادل راستہ نظر آتا ہے اور وہ "بلٹ" یا گولی کا ہے!

اب سے کچھ عرصہ قبل ان کالموں میں "منہج انقلاب نبویؐ" کی وضاحت کے ضمن میں آپؐ کی انقلابی جدوجہد کے تین ابتدائی مراحل پر مختصر گفتگو ہو چکی ہے۔ یعنی (۱) دعوت (۲) تنظیم، اور (۳) تربیت۔ آنحضورؐ کی حیات طیبہ کے دوران یہ تینوں کام اگرچہ مدنی دور میں بھی جاری رہے، لیکن ظاہر ہے کہ ان کا اصل تعلق مکی دور سے ہے جس کے دوران پوری توجہ اور تمام تر سعی و محنت ان ہی پر مرکوز رہی تھی (جبکہ مدنی دور میں ان کی حیثیت ثانوی ہو گئی)۔ ان میں سے بھی دو مراحل یعنی (۱) دعوت و تبلیغ اور (۲) تزکیہ و تربیت، تو خوب معلوم و مشہور ہیں لیکن تنظیم کی اہمیت اس لئے نگاہوں سے اوجھل رہی کہ اس کی اصل بنیاد آپؐ کے دعوئ نبوت کی تصدیق پر قائم تھی جو کسی کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی شرط لازم تھی، لہٰذا اس کے لئے کوئی اضافی اقدام کم از کم اس وقت تک نہیں کیا گیا جب تک معاملہ صرف ایک شہر یعنی مکہ مکرمہ تک محدود تھا۔ اور بیعت سمع و طاعت کی جداگانہ اور مستقل بالذات صورت صرف اس وقت اختیار کی گئی جب دعوت نبویؐ کا دائرہ دور دراز کے شہر یعنی یثرب تک وسیع ہو گیا۔ تاہم چونکہ اللہ کی عبادت کے ساتھ ساتھ رسولؐ کی اطاعت پر زور قرآن حکیم کی مکی سورتوں میں بھی بتمام و کمال موجود ہے، (مثلاً صرف سورۂ شعراء میں مختلف انبیاء و رسل کی دعوت کے ضمن میں آٹھ مرتبہ "اللہ کا تقویٰ اختیار کرو" کے ساتھ ساتھ "اور میری اطاعت کرو!" کے الفاظ بھی لازمی طور پر وارد ہوئے ہیں)۔ لہٰذا سمع و طاعت کے لئے علیحدہ قول و قرار کے بغیر بھی جماعتی نظم کی پابندی کے تقاضے باحسن وجوہ پورے ہو رہے تھے--- لیکن آغاز وحی کے بعد قیام مکہ کے بارہ سال سے زائد عرصے کے دوران دعوت، تنظیم اور تربیت کے ساتھ جو مسلسل حکمت عملی صبر محض، اور عدم تشدد ہی نہیں عدم اشتعال اور عدم انتقام کے تاکیدی حکم اور اس کی بے مثال تعمیل کی صورت میں جاری رہی اس کی اہمیت، اور بالخصوص اس کے نبی اکرمؐ کی انقلابی جدوجہد کی بے نظیر کامیابی کے اہم ترین راز ہونے کی حیثیت پر تو واقعہ یہ ہے کہ توجہ سرے سے دی ہی نہیں گئی۔ چنانچہ مکی دور میں کفار اور مشرکین مکہ کی جانب سے تشدد اور تعذیب پر صحابہ کرامؓ کے صبر و استقامت کے واقعات کے بیان کے ضمن میں بھی اگرچہ ۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را!!

کے مصداق صحابہؓ کی شخصی عظمت اور عزیمت کا نقش تو بحمد اللہ قلوب و اذہان پر بخوبی قائم ہوتا ہے، لیکن بدقسمتی سے اس اہم حقیقت کی جانب کم ہی توجہ ہوتی ہے کہ "جا ایں جاست!" کے مصداق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انقلابی جدوجہد کی کامیابی کا اہم ترین ہی نہیں اصل راز اسی میں مضمر ہے!

اس عدم توجہی اور کم فہمی کا سب سے نمایاں مظہر یہ ہے کہ ہمارے عوام ہی نہیں، اچھے بھلے پڑھے لکھے لوگ بھی، شریعت اسلامی اور تعلیمات محمدیؐ کے بالمقابل انجیل یا حضرت مسیحؑ کی ان تعلیمات کو خلاف عقل اور خلاف فطرت قرار دیتے ہوئے طنز و استہزاء کا ہدف بنا لیتے ہیں کہ "اگر کوئی تمہارے دائیں گال پر تھپڑ مارے تو بایاں بھی اس کے سامنے پیش کر دو، اور اگر کوئی تمہاری چادر چھینا چاہے تو اسے اپنا کرتا بھی دیدو!" حالانکہ اگرچہ قانونی اور دنیوی سطح پر قصاص کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے تاہم بلند ترین اخلاقی اور روحانی سطح پر تو خود نبی اکرمؐ کی مستقل تعلیم بھی یہی ہے کہ "جو تجھ سے کٹے تو اس سے جڑ، اور جو تجھے محروم کرے تو اسے عطا کر، اور جو تجھ پر ظلم کرے تو اسے معاف کر دے!" (امام احمدؒ عن عقبہ ابن عامرؓ) اور اس بحث سے قطع نظر، جہاں تک اقامت دین کی انقلابی جدوجہد کے تقاضوں کا تعلق ہے اسی کے ضمن میں تو مکی دور کے پورے عرصے کے دوران صحابہ کرامؓ کو نبی اکرمؐ کا مستقل حکم یہی تھا کہ خواہ تمہیں زندہ انگاروں پر بھون دیا جائے (جیسے کہ بالفعل حضرت خباب بن الارتؓ کے ساتھ کیا گیا) اور خواہ تمہارے جسم کے پرخچے اڑا دیئے جائیں (جیسے کہ حضرت یاسرؓ اور حضرت سمیہؓ کے ساتھ عملاً ہوا) تمہاری جانب سے کوئی جوابی یا انتقامی کارروائی نہیں ہونی چاہیے۔ چنانچہ پورے بارہ برس تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل "آرڈر آف دی ڈے" یہی رہا کہ اس وحشت اور بربریت پر کوئی جوابی یا انتقامی کارروائی تو درکنار کسی مسلمان کا ہاتھ ذاتی مدافعت میں بھی نہ اٹھنے پائے۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ اگر کسی کو یقین ہو جائے کہ لوگ اسے جان سے مار دینے پر تل گئے ہیں تو کمزور سے کمزور انسان بھی کوشش کرتا ہے کہ کم از کم ایک دو کو مار کر مرے۔ حتیٰ کہ اگر بلی جیسے ادنیٰ حیوان کو بھی یہ محسوس ہو کہ اسے اس طرح گھیر لیا گیا ہے کہ نکل بھاگنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تو وہ انسان تک پر حملہ آور ہونے سے گریز نہیں کرتی!۔

اس معاملے میں یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ پورے مکی دور میں قرآن حکیم میں صرف اس پر اکتفا کی گئی کہ بالعموم واحد کے صیغے میں آنحضورؐ کو صبر کا تاکیدی حکم بھی انتہائی تکرار اور اعادے کے ساتھ دیا جاتا رہا اور یہ ہدایت بھی کی جاتی رہی کہ اگر کبھی طبیعت میں غصہ اور اشتعال کی کیفیت پیدا ہونے لگے تو فوراً اللہ کی پناہ طلب کر لیا کرو (سورۂ حٰم السجدہ ۳۶ اور سورۂ اعراف آیت ۲۰۰) لیکن جمع کا صیغہ استعمال نہیں کیا گیا۔ گویا صحابہ کرامؓ کو آنحضورؐ یہ حکم اپنی ذاتی ہدایت کے طور پر پہنچاتے رہے (جیسے آل یاسرؓ کو خطاب کر کے فرمایا "اے یاسرؓ کے گھر والو! صبر کرو اس لئے کہ تمہارے وعدے کا مقام جنت ہے" گویا صبر کی ہدایت کے ساتھ شہادت کی بشارت بھی دیدی۔) اور اس طرح یہ معاملہ اطاعت امر کی موثر تربیت اور جماعتی نظم کی پابندی کی سخت ترین مشق کا ذریعہ بن گیا۔ تاہم مدنی دور میں سورۂ نساء کی آیت ۷۷ میں مکی دور کی اس حکمت عملی کی تعبیر کے لئے "کفوا ایدیکم" کے فصیح و بلیغ الفاظ استعمال فرما کر اس حقیقت کو پوری طرح واضح کر دیا کہ ع گفتہ او گفتہ اللہ بود" کے

مصداق مکی دور میں یہ حکم اللہ ہی کی جانب سے تھا کہ "اپنے ہاتھ روکے رکھو یا باندھے رکھو!"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انقلابی جدوجہد کے اس اہم نکتے سے مسلمانوں کی عمومی بے اعتنائی کے مقابلے میں اگر یہ دیکھا جائے کہ غیروں نے اسے کتنی اہمیت دی تو حیرت ہوتی ہے۔ چنانچہ بزرگ صحافی میاں محمد شفیع (م۔ش) راوی ہیں کہ انہیں خان عبدالغفار خان مرحوم نے خود بتایا کہ ان سے موہن داس کرم چند گاندھی نے یہ کہا تھا کہ "میں نے عدم تشدد کا سبق حضرت مسیحؑ اور حضرت محمدؐ سے سیکھا ہے!" تو اگرچہ آنجہانی گاندھی نے عدم تشدد کے اس اصول کو جس انتہا تک پہنچا دیا تھا وہ یقیناً مضحکہ خیز بات تھی (چنانچہ ان کے سیاسی رفیق و معاون مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے بھی اپنی تالیف "انڈیا ونز فریڈم" میں ایک مقام پر اس کا مذاق اڑایا ہے۔) تاہم یہ حقیقت بجائے خود ناقابل تردید ہے' اور اسی بنا پر پوری دنیا میں تسلیم کی جاتی ہے' کہ ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد کے ابتدائی مراحل میں گاندھی جی کی یہ حکمت عملی نہایت موثر اور فیصلہ کن ثابت ہوئی تھی۔

کسی انقلابی جدوجہد کے ابتدائی مراحل میں ---- یعنی جب تک دعوتی' تنظیمی اور تربیتی مساعی کے نتیجے میں اتنی عددی اور معنوی قوت فراہم نہ ہو جائے کہ پہلے سے قائم اجتماعی نظام (پولیٹیکو سوشیو اکنامک سسٹم) کو کھلم کھلا طور پر چیلنج کر کے براہ راست تصادم کا خطرہ مول لیا جا سکے ---- صبر محض یا عدم تشدد یا عدم انتقام کی پالیسی ایک اعتبار سے منفی طور پر ناگزیر اور ایک دوسرے اعتبار سے مثبت طور پر نہایت مفید اور نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہے۔ ناگزیر اس اعتبار سے کہ چونکہ آغاز کار میں انقلابی نظریئے کے علمبردار تعداد میں بہت کم ہوتے ہیں تو اگر وہ بھی تشدد کا جواب تشدد سے دینے لگیں تو رائج الوقت نظام اور اس کی محافظ حکومت کو اخلاقی جواز حاصل ہو جاتا ہے کہ اپنی پوری قوت کو بروئے کار لا کر اس انقلابی طاقت کو بالکل کچل کر رکھ دے۔ بصورت دیگر بھی اگرچہ ان پر تشدد تو ہوتا ہے لیکن ایک حد کے اندر اندر۔ اور اس طرح انقلابی جدوجہد کا عمل جاری رہتا ہے۔ دوسری جانب صبر و تحمل کی یہ روش انجام کار کے اعتبار سے اس لئے نہایت موثر اور مفید ثابت ہوتی ہے کہ عوام کی "خاموش اکثریت" اگرچہ خاموش تو ہوتی ہے لیکن اندھی بہری نہیں ہوتی۔ لہٰذا جب وہ دیکھتی ہے کہ انقلاب کے داعی اور کارکن ہر طرح کے مصائب جھیل رہے ہیں اور جانی و مالی قربانیاں دے رہے ہیں' اور شدید وحشیانہ تشدد اور تعذیب کے باوجود صبر و تحمل کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور خود کوئی جوابی اقدام نہیں کر رہے تو اس کی دلی ہمدردیاں رفتہ رفتہ اور اندر ہی اندر انقلاب کے داعیوں کے ساتھ ہوتی چلی جاتی ہیں ---- اور

ع "جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ!"

کے مصداق عوام کی "خاموش اکثریت" کی دلی کیفیت کی یہی تبدیلی تصادم کے آخری مرحلے میں "فیصلہ کن" ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ بدر کے میدان میں ایک ہزار کی کیل کانٹے سے لیس نفری کے باوجود سرداران قریش جس طرح بھیڑ بکریوں کے مانند ذبح ہو گئے اس کا ایک اہم سبب یہ تھا کہ اگرچہ ان کے ساتھیوں کے ہاتھ اور ہتھیار ان کے ساتھ تھے لیکن ان کے دل "محمد رسول اللہ والذین معہ' " کے ہاتھوں پہلے ہی "فتح" ہو چکے تھے۔

نقطہ نظر

نظام ہی اگر غلط ہو تو اچھے قوانین بھی بے نتیجہ ثابت ہوتے ہیں

مکمل اسلامی نظام ---- ہمارے پیچ در پیچ مسائل کا واحد حل!

محمد سمیع' کراچی

وفاقی شرعی عدالت کے سابق چیف جسٹس ریٹائرڈ گل محمد خان کی سربراہی میں نفاذ شریعت ورکنگ گروپ کی ذیلی کمیٹی نے انسداد منکرات کے سلسلے میں جو سفارشات پیش کی ہیں وہ اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہیں۔ حال ہی میں خواتین پر مجرمانہ حملوں میں جس شدت کے ساتھ اضافہ ہوا ہے اگر غور کیا جائے تو اس میں ویڈیو سنٹرز کے ذریعہ فحش فلموں کے فروغ' ذرائع ابلاغ کے ذریعہ فحاشی کے روز افزوں مقابلوں اور خواتین کی بے حجابی کے علاوہ مخلوط مجالس میں ان کی شرکت کا بڑا عمل دخل ہے۔ ان جرائم کے ارتکاب میں بااثر زمیندار' جاگیردار اور وڈیروں کے ساتھ پولیس والے بھی شامل ہیں جن کے کاندھوں پر قانون پر عملدر آمد کروانے کی ذمہ داری ہے۔ جس معاشرے میں قانون سازی کرنے والے اور ان پر عملدر آمد کروانے والے ادارے' دونوں ہی بدعنوانی اور اخلاقی تنزل کا شکار ہوں وہاں کسی نئی قانون سازی کے ذریعے اصلاح احوال ممکن نہیں۔ مرحوم ضیاء الحق نے بھی قانون کو اسلامی رنگ دینے کی کوشش کی تھی لیکن ان بدعنوان عناصر کی موجودگی کی وجہ سے ان قوانین کے ذریعہ مجرموں کی سرکوبی کی بجائے عوام پر نت نئے مظالم ڈھائے گئے۔ آپ چاہے کتنا ہی اچھا قانون کیوں نہ بنا لیں وہ تحفظ صرف ان ہی لوگوں کو دے گا جن کے مفادات رائج الوقت نظام سے وابستہ ہوں۔

یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ محض خواتین کی بے پردگی اور مخلوط اداروں میں انکی ملازمتوں کی حوصلہ شکنی سے اسلامی نظام کا تقاضا پورا نہیں ہوتا بلکہ نظام عدل اجتماعی کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی بنیادی ضرورتیں ان کے گھر کی چار دیواری میں مہیا ہوں۔ بصورت دیگر اسی طرح کا معاملہ ہو گا جیسا کہ ملک کے ممتاز اسکالر ڈاکٹر اسرار احمد کے ساتھ پیش آیا' جب انہوں نے ٹیلی ویژن پر اپنے پروگرام "الہدیٰ" میں بے پردہ خواتین کو شرکت کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس وقت کے سندھ کے گورنر ایس ایم عباسی کی بیگم مع دوسری مغرب زدہ بیگمات کے میدان میں کود پڑیں۔ اور ڈاکٹر صاحب کے خلاف مظاہرے شروع ہو گئے۔ نفاذ شریعت ورکنگ گروپ کی ذیلی کمیٹی کی یہ سفارش اپنی جگہ بڑی معقول ہے کہ مناسب وقفے سے قیدیوں کو اپنے اہل خانہ سے ملاقات کا موقع فراہم کیا جانا چاہیے لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ قیدیوں کی معمولی

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

البانیہ پر عیسائیوں کی یلغار

البانیہ سے ایک درد مند کی دلگداز تحریر

حافظ غلام شبیر

مشرقی یورپ کا مسلم اکثریت والا یہ ایک چھوٹا ملک جس کی کل آبادی ۳۰۰۰۰۰۰ ہے' اس کو کیمونسٹ کنٹرول سے مکمل آزاد ہوئے ابھی تقریباً چھ ماہ کا عرصہ ہوا ہے۔ دو سال پہلے کیمونزم کے پنجے ڈھیلے ہونے شروع ہوئے تھے۔ اس وقت البانیہ عیسائی مشنری اور عیسائیت کی تبلیغ کی مکمل زد میں ہے۔ یہاں کی آبادی کا ۸۵ فی صد مسلمان ہیں۔ عیسائی یہاں اقلیت میں ہیں لیکن پھر بھی پوری دنیا کے عیسائی مذہبی مشنوں نے یہاں اپنا کام پورے زور و شور سے شروع کر رکھا ہے۔ مسلمان دنیا کے اکابرین نے اگر اس طرف توجہ نہ کی تو خاکم بدھن کچھ ہی عرصہ بعد یہ پورا ملک عیسائی ہو جائے گا۔

البانیہ کے مسلمانوں کے عیسائیت کی طرف مائل ہو جانے کے جس امکان کا اظہار میں نے کیا ہے اس کی بہت سی وجوہات میں سے سرفہرست معاشی وجوہات ہیں۔ امریکہ اور یورپ کے عیسائیوں نے اس مقصد کے لئے اپنی تجوریوں کے منہ البانیہ کی طرف کھول دئے ہیں۔ بے شمار عیسائی ادارے ہر شعبہ میں غریبوں' بیواؤں اور یتیموں کی مدد کی آڑ میں اپنا لٹریچر اور تبلیغ پھیلا رہے ہیں۔ مدر ٹریزا کا مشن اس میں سرفہرست ہے۔ علاوہ ازیں فرانس' جرمنی' اٹلی وغیرہ سے یہاں کے دور افتادہ پسماندہ علاقوں کے لئے امداد آرہی ہے۔ اس مقصد کے لئے اٹالین آرمی کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد البانیہ میں گھس آئی ہے۔ سکولوں میں بچوں اور بچیوں میں ان مشنوں کی طرف سے مدد کے نام سے بے شمار چیزیں بعض اوقات قیمتی اشیاء مثلاً بائیسائیکل' گرم کوٹ' بوٹ کھلونے وغیرہ تقسیم کئے جارہے ہیں۔ علاوہ ازیں اندازاً" ہر پندرہ دن بعد تمام بچوں میں عیسائی تبلیغ کی کتابیں' تصویریں' گلے میں ڈالنے کے لئے کراس دئے جارہے ہیں۔ البانیہ کے بے شمار مسلمان چونکہ یونان اور اٹلی میں کام کرتے ہیں' ان علاقوں میں بعض پریشانیوں سے بچنے کی خاطر وہ اپنے آپ کو عیسائی ظاہر کرتے ہیں اور اس ضمن میں انہیں کوئی مشکل بھی پیش نہیں آتی کیونکہ کیمونسٹ دور میں یہاں مسلمان نام رکھنے پر پابندی عائد رہی ہے۔

ہندوستان کی شدھی اور سنگھٹن جیسی تحریک کا یہاں بھی احساس کیا گیا ہے۔ عیسائی مشن مسلمانوں کو یہ بتا رہے ہیں کہ تم تو اصل میں عیسائی تھے' ترک مسلمانوں نے تمہیں تمہارے اصل دین سے پھیر دیا لہٰذا اب رجوع کر لو۔ عیسائیوں کی مذہبی یلغار کا اندازہ کرتے ہوئے یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔

کسی زمانے میں البانیہ کے عوام کو روسی زبان سکول میں پڑھنا ہوتی تھی۔ میں نے دریافت کیا کہ روسی زبان سیکھنے کی کیا وجہ تھی تو معلوم ہوا کہ روس کے ساتھ یہ طے ہوا تھا کہ البانیہ کے لوگ روسی زبان سیکھیں گے اور روس کی طرف سے مالی امداد ملے گی۔ بالکل اسی طرح اب امریکہ اور دیگر یورپی و مغربی ممالک سے امداد مع عیسائی لٹریچر کے آرہی ہے۔

ہم تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دور جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

سکولوں میں تقسیم کی جانے والی کتابوں میں بے شمار کتابیں (قیمتی' خوبصورت اور رنگین) طباعت کے اندر ہیں۔ ان کتابوں اور ٹی وی کے تبلیغی پروگراموں میں ایک مطابقت ہے۔ مثلاً دو تین ہفتے پہلے بچوں کے لئے عیسائی تعلیم پر مبنی ایک قسط وار فلم The book of Power دکھائی جاتی رہی اور پھر اسی جیسی تصویروں کے ٹائیٹل کے ساتھ سکولوں میں کتابیں تقسیم کی گئیں۔ اس سب لٹریچر میں جس بات پر سب سے زیادہ زور دیا جارہا ہے وہ یہ ہے کہ عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے یعنی مسلمانوں کو ان کے پہلے بنیادی اہم اور طاقتور سبق اور ہتھیار توحید سے محروم کرنے کا کام۔

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے

بچوں کو رنگین پنسلیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سکیچ دئے جارہے ہیں کہ وہ ان میں رنگ بھریں۔ کہانیوں اور کارٹونوں کی کتابیں' بڑوں کے لئے مفت عیسائی کورس' کاپیاں' قلم بال پوائنٹس وغیرہ دئے جارہے ہیں۔ سکولوں میں اس طرح لٹریچر کی تقسیم پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ یہ لٹریچر جو کہ ریلیف (مدد) کے ساتھ آتا ہے اس میں سے سکول ڈائریکٹرز اور اساتذہ کو حصہ دیا جاتا ہے لہٰذا کبھی کسی نے انکار نہیں کیا۔ اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی طرف سے مدافعتی اور مزاحمتی اقدامات بہت کمزور ہیں۔ یہاں کے امام صاحبان تو اس پر خوش ہیں کہ مسجدیں جو بند تھیں وہ کھل رہی ہیں اور بہت سی نئی بھی تعمیر ہونے والی ہیں۔ دو تین عرب تنظیمیں جو ریلیف کے کام کررہی ہیں وہ ابھی تک سکول کے بچوں کے لئے مقابلہ کے لئے کوئی چیز نہیں لاسکے سوائے ایک کتاب "بائیبل میں پچاس ہزار غلطیاں" مصنفہ احمد دیدات کے۔ یہ کتاب بھی بظاہر دلکشی سے محروم ہے۔ یہاں جب مسلمانوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ انگلینڈ میں اتنے' فرانس' امریکہ میں اتنے ہیں تو بہت خوش ہوتے ہیں اور جب یہ بتائیں کہ برطانیہ میں امریکہ میں بہت سے چرچ جو ویران ہو گئے تھے' مسلمانوں نے خرید کر مسجدیں بنالیں تو حیران ہوتے ہیں۔

کیمونسٹ دور میں لوگوں کے انداز فکر میں ایسی تبدیلی کی گئی اور انہیں اس نہج پر ڈھالا گیا کہ وہ مذہبی اقدار' مرد و عورت کی تمیز اور پرائیویٹ اور سٹیٹ کی سوچ سے بالاتر ہو کر صرف بطور ورکر کے کام کرتے رہیں۔ دو بچوں سے زیادہ بچے بہت ہی کم میاں بیوی قبول کرتے ہیں کیونکہ ان دونوں کو کام پر جانا ہے' زیادہ بچے کام میں رکاوٹ بنیں گے۔ اسی طرح ان کے خیال میں مذہب بھی کام میں رکاوٹ کا باعث بن

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

قرار دادِ پاکستان میں پاکستان کا نام بھی نہیں تھا

سیاسیاتِ پاکستان

(ابتداء تا ایں دم)

۳۷ء کی انتخابی شکست درحقیقت بہت فائدہ مند ثابت ہوئی!

مرزا ایوب بیگ امیر تنظیم اسلامی لاہور شہر کی بے لاگ تاریخ نگاری (پہلی قسط)

پاکستان کی سیاسی تاریخ پر کچھ قلمبند کرنا بیک وقت بہت آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔ آسان اس لئے ہے کہ ہمارے سیاسی زعماء نے ۴۵ سال میں اتنا مواد مہیا کیا ہے کہ کسی مورخ کی سطحی کوشش بھی قرطاس کا پیٹ آسانی سے بھر سکتی ہے۔ اور مشکل اس لئے کہ بلا خوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ محلاتی سازشیں' جوڑ توڑ کی سیاست' راتوں رات نئی سیاسی پارٹیاں قائم ہوجانا اور تھوک کے حساب سے کارکنوں' لیڈروں بشمول ممبران اسمبلی' کا نئی پارٹی میں منتقل ہوجانا یہ سب کچھ جس بھونڈے اور شرمناک انداز میں اس ملک پاکستان میں ہوا' جمہوریت کی تاریخ میں اور کہیں نہیں ہوا ہوگا۔ ایسے ایسے سیاسی ڈرامے سٹیج کئے گئے اور ایسی سیاسی قلابازیاں لگائی گئیں کہ روسو اور والٹیر کی ارواح تڑپ اٹھی ہونگی۔ ان حالات میں کسی خوردبین مورخ کا حالات و واقعات کا ٹھیک ٹھیک تعین کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ مورخ کا کام صرف یہ نہیں ہوتا کہ واقعات محض ایک ترتیب کے ساتھ درج کر دے' بلکہ کسی خطہ میں پیش آنے والے واقعات و معاملات کے اسباب پر روشنی ڈالے' ان کا ایک پس منظر قاری کے سامنے واضح کرے' پھر یہ نتائج اخذ کرنے میں قاری کی پوری پوری مدد کرے' نتائج کی ذمہ داری قوم کے مردان کار پر منصفانہ طور پر تقسیم کرے اور ان واقعات و حوادث کی خصوصی طور پر نشان دہی کرے جو اقوام کا رخ کسی خاص سمت پر متعین ہونے کا باعث بنتے ہیں۔ اس سے قطعی طور پر یہ نتیجہ اخذ نہ کرلیا جائے کہ راقم خود کو کوئی مورخ گردانتا ہے۔ اس تحریر کا تو صرف یہ مقصد ہے کہ ہفت روزہ ندائے خلافت کے ذریعے قارئین اپنے ماضی قریب کو اور اس میں ہونے والی بھیانک کوتاہیوں کو جان لیں۔ اس لئے اصلاح احوال کے لئے غلطی اور کجی کا واضح طور پر علم میں آجانا شرط اول کی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ تحریر قسط وار ہوگی۔ اس کا آغاز گو اصلاً ۱۹۴۰ء سے کیا گیا ہے لیکن کیونکہ ۳۷ کے صوبائی انتخابات نتائج کے اعتبار سے مسلم لیگ کے تازیانے کی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا ان کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ مزید برآں یہ کہ اپنی کم علمی کی وجہ سے اگر کوئی واقعہ غلط یا غیر صریح بیان ہوگیا ہو تو اس کی اصلاح پر قارئین کا شکرگزار ہوں گا۔

پاکستان کی سیاسی تاریخ بیان کرنے کے لئے تاریخ تحریک پاکستان کا بھی سرسری اور مختصر جائزہ لینا ہوگا (بالخصوص اور ۱۹۴۰ء تا قیام پاکستان)۔ قیام پاکستان کو اکثر مقررین اور مولفین معجزہ قرار دیتے ہیں اور حقیقتاً یہ ایک بہت بڑا معجزہ ہے اور جوں جوں آپ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۷ء تک کے حالات و واقعات کا بغور جائزہ لیتے چلے جائیں گے عقل عاجز آنے لگے گی اور پاکستان کا صحیح معنوں میں اور الفاظ کی اصل روح کے ساتھ مملکت خداداد ہونے کا یقین ہونے لگے گا۔ ہندو قیام پاکستان کا سب سے بڑا دشمن جدید تعلیم سے آراستہ اور بڑے بڑے حکومتی عہدوں پر براجمان ہے۔ دنیوی' خصوصاً مالی وسائل پر قریباً بلا شرکت غیرے اس کا قبضہ ہے۔ تعداد میں زیادہ ہے' کانگریس کے نام سے ایک منظم' بڑی اور پرانی سیاسی جماعت اس کی نمائندگی کررہی ہے۔ انگریز جو حاکم وقت ہے' بہت سی وجوہات کی بنا پر مسلمان سے نفرت' دشمنی یا کم از کم چڑ ضرور رکھتا ہے۔ لہٰذا اس کا دست شفقت بھی مسلمان کے دشمن ہندو کی پشت پر ہے۔ برطانیہ میں لیبر پارٹی کی حکومت ہے اور اس کے وزیراعظم اٹیلی کی قائداعظم سے نفرت اور بغض کوئی ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ پھر یہ کہ مسلمان انتشار کا شکار ہیں' قیادت کا بحران ہے' مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندگی کا دعویٰ تو کرتی ہے لیکن ۱۹۰۶ میں قائم ہونے والی اس جماعت میں نظم کا نام و نشان نہیں ہے۔ چند نواب اور وڈیروں نے اس کے اجتماعات کو ڈرائنگ روم تک محدود کیا ہوا ہے۔ پنڈت نہرو کا یہ فقرہ ریکارڈ پر موجود ہے "مسلم لیگ تو امراء کی جماعت ہے"۔ مسلم لیگ کے نظم کی حالت یہ ہے کہ ۱۹۳۰ء میں الٰہ آباد میں جو اجلاس ہوا تھا اور جس میں علامہ اقبال نے شرکت کرکے اپنا مشہور و معروف خطبہ دیا جو خطبہ الٰہ آباد کے نام سے مشہور ہے' اس موقع پر علامہ کا خطاب شروع ہوچکا تھا لیکن مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا کورم ابھی تک پورا نہیں ہوا تھا۔ برصغیر کی ناخواندہ یا نیم خواندہ مسلمان اکثریت اپنی مخصوص نفسیاتی ساخت کے باعث مذہب کے معاملے میں اتھارٹی صرف علماء کو مانتی ہے۔ ادھر علماء کی اکثریت یا تو کانگرس میں ہے اور پاکستان کی شدید مخالفت کررہی ہے یا پھر جمعیت

العلمائے ہند اور احرار میں ہے اور یہ پاکستان کے قیام سے مسلمانوں کی طاقت کے تقسیم ہونے کا خدشہ برملا ظاہر کررہے ہیں۔

جماعت اسلامی ان تمام کوششوں کو احمقانہ قرار دے رہی ہے اور مسلم لیگ کے قائدین پر پھبتیاں کس رہی ہے' خاکسار اپنی راگنی الگ الاپ رہے ہیں' قائداعظم کا ذکر "کافر اعظم" کہہ کر کررہے ہیں۔ سب سے انوکھی بات یہ ہے کہ قوم اپنے قائد کی زبان نہیں جانتی اور قائد اپنے عوام کی زبان نہیں جانتا۔ زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم' والا معاملہ ہے۔ ان سب حقائق پر نگاہ دوڑائے تو انسان آج بھی حیران بلکہ ششدر رہ جاتا ہے کہ ان ہمالہ جیسی رکاوٹوں کو دور کرکے پاکستان کس طرح قائم ہوا۔ اور ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم تسلیم کریں کہ قیام پاکستان یقیناً ایک معجزہ ہے اور یہ صرف مشیت ایزدی سے ممکن ہوا۔

آج ہم ۲۳ مارچ کو بطور یادگار قرارداد پاکستان کے طور پر مناتے ہیں۔ حالانکہ یہ تاریخی طور پر بالکل غلط ہے کہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو منٹو پارک (موجودہ اقبال پارک) لاہور میں جو قرارداد منظور کی گئی تھی وہ قرارداد پاکستان تھی۔ اس قرارداد کے متن میں پاکستان کا نام تک نہیں تھا بلکہ Muslim states کا لفظ تھا۔ اور پاکستان کے لفظ کا نہ ہونا صرف قرارداد تک محدود نہیں تھا بلکہ اس روز اس سٹیج سے جتنے مقررین نے تقریریں کیں ان میں سے کسی نے بھی پاکستان کا نام تک زبان سے نہیں نکالا۔ حالانکہ سیاسی مقررین کے سامنے جب پرجوش عوام کا ہجوم ہو تو نہ جانے وہ کیا کچھ کہہ جاتے ہیں۔ بالفاظ دیگر ۲۳ مارچ ۴۰ تک پاکستان اس جغرافیہ کے ساتھ اور ایک واحد مملکت کی حیثیت سے مسلم لیگی قائدین کے ذہنوں میں بھی نہیں تھا۔ لیکن اللہ بھلا کرے ہندو پریس کا جس نے اگلی صبح اسے قرارداد پاکستان قرار دے دیا اور اس کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ شروع کردیا اور مسلمان قائدین اگر مثبت انداز میں پاکستان کے قیام کی خواہش عوام کے قلوب میں اتارنا چاہتے تو شاید اس طرح اور اتنی جلدی یہ کام نہ کرسکتے جو ہندو کے مخالفانہ پروپیگنڈہ سے نے کیا۔ بعد ازاں پاکستان برصغیر کے مسلمان کے دل کی آواز بن گیا۔

مسلم لیگ جس کی بدنظمی کا ذکر اوپر آچکا ہے' ۱۹۳۷ء کے صوبائی انتخابات میں بری طرح پٹ گئی۔ کانگریس نے ۱۱ میں ۹ صوبوں میں مکمل طور پر فتح حاصل کی۔ ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء کو علامہ اقبال نے قائداعظم کو ایک خط لکھا اور انتخابات کے نتائج کی روشنی میں مسلم لیگ کی حالت کا ذکر کیا اور ان کی توجہ عوام کے اصل مسئلہ کی طرف دلائی' مسلمانوں کے معاشی افلاس کا تفصیلی ذکر کیا اور اسلام کے معاشی نظام کو اس کا حل قرار دیا۔ ۳۷ء کے انتخابات میں شکست سے مسلمانوں کو بہت سے فوائد حاصل ہوئے۔ مثلاً یہ کہ مسلم لیگی زعماء نے سنجیدگی سے اپنی حالت زار پر توجہ دی۔ ہندوؤں نے اقتدار میں آکر مسلمانوں سے ہر قسم کی زیادتیوں اور مذہبی تعصب کے بے رحمانہ اظہار کا جو آغاز کیا تو بہت سے ایسے مسلمان جو ابھی تک ہندوؤں سے کچھ توقعات رکھتے تھے ان کی آنکھیں بھی کھل گئیں اور انہوں نے بھی ہندو مسلم کا اکٹھا رہنا دشوار محسوس کرنا شروع کردیا۔ اکتوبر ۳۷ء میں مسلم لیگ کا ۲۵واں سالانہ اجتماع ہوا۔ مسلم لیگ کا یہ سالانہ اجتماع خاصا زوردار تھا۔ پہلی مرتبہ تین وزراء اعلیٰ (i) سکندر حیات' پنجاب (ii) سر سعد اللہ آسام اور (iii) مولوی فضل الحق' بنگال اس میں شریک ہوئے۔ اس اجلاس میں آزاد جمہوری ریاستوں پر مشتمل وفاقیہ کی صورت میں مکمل آزادی کا حصول' مسلمانوں کا نصب العین قرار دیا گیا۔ اس سے مسلمانوں میں ایک ولولہ پیدا ہوا اور پیسہ اخبار لاہور نے شہ سرخی لگائی "مسلم لیگ آزادی پسند جماعت بن گئی"۔ یعنی ابھی تک عوام پر یہ بھی اچھی طرح واضح نہیں تھا کہ مسلم لیگ کا بحیثیت جماعت اصل نصب العین کیا ہے۔ اس لئے کہ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو جب مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی اس وقت اس تنظیم کے جو اغراض و مقاصد تھے وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) مسلمانوں میں برطانوی حکومت سے وفاداری کے جذبات کا فروغ۔

(۲) مسلمانوں کے سیاسی حقوق و مفادات کا تحفظ اور ترقی۔

(۳) دوسری قوموں اور فرقوں کے خلاف منافرت میں کمی کی کوشش۔

گو بعد ازاں جلد ہی مسلم لیگ نے اپنے اغراض و مقاصد کا از سرنو تعین کیا لیکن اغراض و مقاصد میں اس ترمیم کو اب تک وہ وسیع پیمانے پر عوام تک نہ پہنچا سکی تھی۔ اکتوبر ۳۷ء کے مسلم لیگ کے اس اجتماع نے صورت حال میں بہت بڑی تبدیلی پیدا کی اور وہ مسلم حقوق کی حفاظت کی سب سے بڑی علمبردار بن کر سامنے آئی۔ مسلم لیگ کی شاخیں قصبات کی سطح پر بھی قائم ہوئیں۔

جنگ عظیم دوئم نے برطانیہ کے لئے کئی مسائل پیدا کردئے تھے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ جنگ نے برطانیہ کو مجبور کیا کہ وہ ہندوستانی لیڈروں سے سنجیدہ مذاکرات کرکے ہندوستان کے مسئلے کو صحیح طور پر حل کرنے کی کوشش کرے۔ لہٰذا سر سٹیفورڈ کرپس کو ۴۲ء میں ہندوستان بھیجا گیا جس نے کرپس پلان پیش کیا۔ گو اس پلان میں مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن کا مبہم سا خاکہ موجود تھا لیکن مسلم لیگ اب چونکہ تقسیم کا ایک واضح اور جامع منصوبہ مرتب کرچکی تھی لہٰذا مسلم لیگ نے کرپس پلان کو مسترد کردیا۔ کرپس منصوبے سے مسلمانوں کو جو بہت بڑا فائدہ حاصل ہوا وہ یہ تھا کہ حکومت برطانیہ نے پہلی مرتبہ مسلمانوں کے حق خود اختیاری کا بہرحال اعتراف کرلیا۔ دوسری طرف کانگریس نے بھی اس منصوبہ کو مبہم اور ادھورا قرار دے کر نامنظور کردیا۔ یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ مسلم لیگ اور کانگریس نے اس پلان کو مختلف ہی نہیں متضاد اسباب کی بنیاد پر مسترد کیا۔ مسلم لیگ کا خیال یہ تھا کہ چونکہ اس میں پاکستان کا تصور واضح طور پر پیش نہیں کیا گیا لہٰذا یہ ناقابل قبول ہے جبکہ کانگریس نے اس پلان کو ہند کی وحدت کے تصور کے خلاف قرار دے کر مسترد کردیا۔ قائداعظم نے انہی دنوں مسلم لیگ کے موقف کو مزید واضح کرنے کے لئے ایک اخباری بیان جاری کیا کہ مسلم لیگ صرف اسی صورت میں مصالحت کرسکتی ہے جبکہ تمام فریقوں کے لئے پاکستان کی سکیم قابل قبول ہو۔ کروڑوں ہندوؤں کی آبادی پر مشتمل ہندوستان میں صرف راج گوپال اچاریہ وہ واحد ہندو تھا جس نے مسلم لیگ کے مطالبات کو تسلیم کرنے کی بات کی۔ لیکن کانگریس نے اس کی سفارش کو رد کردیا اور اس سے وہ سلوک ہوا کہ اسے بالاخر کانگرس کی رکنیت سے مستعفی ہونا پڑا۔ کانگرس نے انگریز کے خلاف "Quit India" کی تحریک شروع کردی جس پر جھنجلا کر چرچل کے منہ سے سچی بات نکل گئی کہ کانگرس سارے ہندوستان کی ترجمان جماعت نہیں ہے۔ وہ مسلمانوں' سکھوں اور ہندوؤں کی ترجمان و نمائندہ ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتی اور حکومت اس بنیادی حقیقت کو نظرانداز نہیں کرسکتی۔ "Quit India" تحریک کے مقابلے میں مسلم لیگ کے اپریل ۴۳ء کے سالانہ اجتماع میں قائداعظم نے "تقسیم کرو اور چلے جاؤ" کا نعرہ دیا۔ اس اجلاس میں کانگرس اور انگریز دونوں پر واضح کیا گیا کہ مطالبہ پاکستان تسلیم

کئے بغیر ہند کی آزادی بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔

۴۳ء تک مسلم لیگ مسلمانوں کی اکثریت کے دلوں میں گھر کر چکی تھی۔ مزید برآں مسلم لیگ ایک منظم جماعت کی صورت بھی اختیار کر چکی تھی۔ ایک طرف اس نے سندھ' بنگال اور آسام میں وزارتیں بنا لیں تھیں' سکندر جناح پیکٹ کے بعد پنجاب کی وزارت بھی مسلم لیگ کی نمائندہ سمجھی جانے لگی' طلبا بھی مسلم لیگ کی صفوں میں شامل ہو چکے تھے حتی کہ دیہات میں بھی لیگ لیگ کی آواز گونجنے لگی۔ بالفاظ دیگر مسلم لیگ اس پوزیشن میں آگئی کہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہونے کا دعویٰ کر لے۔ لہٰذا گاندھی کے پاس اب کوئی چارہ کار نہ تھا' سوائے اس کے کہ ہند کے مستقبل کے بارے میں مسلمانوں کے اصل قائد قائداعظم سے مذاکرات کرے۔ ۱۷ر جولائی ۴۴ء اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ مسلم لیگ اور قائد اعظم کی حیثیت کی تسلیم کرتے ہوئے گاندھی نے قائداعظم کو مذاکرات کی دعوت دی۔ لیکن یہ مذاکرات ناکام ہو گئے کیونکہ گاندھی نے وحدت ہند کی رٹ لگائے رکھی جبکہ قائد اعظم کی کوشش تھی کہ وہ قرار داد لاہور کے بنیادی اور اساسی اصولوں کو قبول کرنے پر گاندھی کو آمادہ کریں۔ ۴۵ء میں شملہ کانفرنس کا بہت چرچا ہوا۔ کانفرنس منعقد ہونے سے پہلے ہی اس سے بہت توقعات باندھ لی گئیں اور عام تاثر یہ تھا کہ اس سے سیاسی تعطل دور ہو گا۔ لیکن یہ کانفرنس بری طرح ناکام ہوئی کیونکہ مسلم لیگ کا یہ مطالبہ بھی مسترد کر دیا گیا کہ وائسرائے کی ایگزیکٹیو کونسل کے مسلم ارکان منتخب کرنے کا حق و اختیار صرف مسلم لیگ کو حاصل ہونا چاہئے۔ لیکن شملہ کانفرنس کی ناکامی مسلم لیگ کے لئے بہت سود مند ثابت ہوئی۔ کانگرس کے غیر معقول' بے لچک اور متعصبانہ رویے نے کئی کانگریسی مسلمانوں پر کانگریس کی اصل حقیقت آشکار کر دی اور وہ کانگریس سے مستعفی ہو کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ ان میں میاں افتخار الدین اور خان عبدالقیوم خان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بعد ازاں انہوں نے ۴۶ء کے عام انتخابات میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔ انگریز حاکم یہ بھانپ چکا تھا کہ ہندوستان پر مزید حکومت کرنا اور ہندوستانیوں کو اپنی غلامی میں جکڑے رکھنا اب ان کے بس کی بات نہیں رہی ہے۔ بالخصوص جنگ عظیم میں فتح حاصل کرنے کے باوجود اس جنگ کے نتیجے میں وہ معاشی اور سیاسی سطح پر بے حال ہو چکا تھا۔ علاوہ ازیں امریکہ' جو جنگ کے نتیجہ میں ایک سپرپاور کی حیثیت سے ابھرا تھا' نے بھی انگریز کو ہند سے نکلنے کا مشورہ دیا۔ یہاں انگریز کے فہم و ادراک کو خراج تحسین پیش نہ کرنا بھی زیادتی ہو گی کہ وہ جونہی اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس کیلئے باوقار اور تمکنت کے ساتھ ہند پر حکومت کرنا اب ممکن نہیں رہا تو اس نے گھسٹنے اور کسی نہ کسی طرح مزید وقت گزار لینے کی پالیسی اختیار نہیں کی بلکہ آزادی اور جمہوریت کی اس لہر کو صحیح طور پر سمجھا اور ہند سے دست بردار ہونے میں عافیت جانی۔ ۱۹ر ستمبر ۴۵ء کو وائسرائے ہند نے اعلان کیا کہ عام انتخابات جلد ہونگے اور حکومت برطانیہ ہند کو جلد از جلد آزادی دینے کیلئے یہاں کے لیڈروں سے مذاکرات کرے گی۔

(جاری ہے)

بقیہ: مکتوبِ ریاض

گنہگار ہی سہی بندی ہوں اور حشر میں بھی مقدمہ کیا جائے گا کہ یہ عالم ہر بات کو سمجھتے تھے' ڈاکٹر تھے اور مرض جانتے تھے مگر اصل مرض کے لئے کوئی اینٹی بائیٹک نہیں دی! پاکستان کے کچھ مولوی اور یہاں کے عام متولی ہر وقت خواتین کے پردے کا شور مچاتے رہتے ہیں' خصوصاً یہاں پر کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ یہاں کے متولی کا گریبان پکڑ کر پوچھوں کے قرآن و سنت کیا صرف عورتوں کو پردے میں بٹھانے کے لئے آیا تھا؟ اسلام کا عظیم ترین مقصد تو کہیں نظر نہیں آتا' بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اصل مقصد تو اس قدر بھلا دیا ہے کہ غیر قومیں ہنس رہی ہیں ہمارے منہ پر۔

نگہت حامد --- ریاض

KHALID TRADERS

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

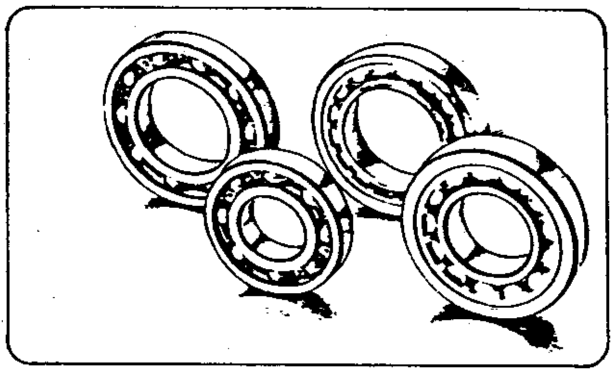

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : — 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

عہد رواں کے مجدد' اقبال کا تصور ریاست و سیاست

"وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے"

اقبال کا خواب "لفظ پاکستان" نہیں بلکہ اسلام کا عدل اجتماعی تھا

یہ مقالہ ملتان میں خلافت کونشن کے موقع پر پیش کیا گیا

پروفیسر حفیظ الرحمٰن خان

عصر حاضر میں امت مسلمہ کی خوش بختی ہے کہ اسے اقبال سا صاحب بصیرت شاعر میسر آیا۔ علم و حکمت کے جو خزائن خالق نے اقبال کو عطا کئے' موجودہ اور گذشتہ صدی کی کسی دوسری شخصیت کو نصیب نہیں ہوئے۔ اقبال قدیم و جدید تصورات' تاریخی عوامل اور مغرب و مشرق کے تمام فلسفہ ہائے حیات کے کامل شناسا تھے۔ ان کی شاعری خیال و نظر کی بوقلمونی اور جذبہ و احساس کی سحر آفرینی سے مملو ہے۔ ان کی نگاہوں پر ماضی و مستقبل اسی طرح منکشف تھے' جس طرح ہم حال کا احساس و ادراک کرتے ہیں۔ ان کی شخصیت خود انہی کے ایک شعر کے پیکر فکر و احساس کی آئینہ دار ہے۔

دلم بدوش نگاہم بہ عبرت امروز
شہید جلوۂ فردا و تازہ آئینم

ظاہر ہے کہ اس سطح کے ذہنی جذباتی علو اور وسعت نظر کا مالک شاعر مروجہ فکری رویوں اور سانچوں کا پابند ہو کر نہیں رہ سکتا' بلکہ اس کا بیان بے پناہ فکر و فنی وسعتوں کا متقضی ہوتا ہے۔ یہی وجہ کہ شعر اقبال میں حیات و کائنات کے بے شمار آثار و امکانات کی طرف اشارے ملتے ہیں۔ موجودہ عہد سائنسی اکتشافات اور نئے نئے سماجی اور سیاسی تصورات کے فروغ کا عہد ہے۔ آج ہماری نگاہیں نئے تصورات کو ابھرتے اور پرانے مادی فلسفوں کو دم توڑتے دیکھ رہی ہیں۔ اقبال نے جس عہد میں آنکھ کھولی' اس وقت نئے نظریات پھل پھول رہے تھے۔ یہ ان کے تخیل وجدان کا کارنامہ ہے کہ انہوں نے جدید علوم اور تصورات کا مطالعہ خیرہ نگاہی سے نہیں کیا' بلکہ ایک سچے مسلمان کے قلب و نظر کے ساتھ کیا۔ ان کے ہاں جذبہ اور خیال کی مثالی ہم آہنگی ملتی ہے۔ ان کے دل و نگاہ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو ایمان و یقین کے نور سے روشن نہ ہو اور جس پر اسلامی طرز فکر و احساس کی چھاپ نہ ہو۔ اقبال موجودہ عہد کے مجدد تھے' جنہوں نے اسلامی فلسفہ حیات کی جدید عہد کے تناظر میں شیرازہ بندی کی۔ اقبال کا کلام' بلاشبہ موجودہ عہد کا علم الکلام ہے۔

اقبال کی فکر اور پیغام آج زندگی کے ہر شعبے میں سچی اور حقیقی رہنمائی کرتا ہے۔ انہوں نے مذہب اخلاق' تعلیم' فن' قومیت' ریاست' سیاست' تہذیب' ثقافت' وطنیت۔ عہد حاضر کے جملہ تصورات کا اسلامی زاویہ نگاہ سے مطالعہ کیا۔ میرے پیش نظر' اس وقت اقبال کے تصور ریاست کا جائزہ ہے۔ یہ دیکھنا ہے کہ اقبال کے نزدیک اسلامی ریاست کے خدوخال کیا ہیں۔

اقبال کے عہد میں مغرب و مشرق کی اقوام میں مختلف نظام رائج تھے۔ ملوکیت کا پنجہ ستم بہت سے ملکوں کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھا۔ یورپ کے بعض ملکوں میں جمہوریت کے ثمرات کا چرچا تھا۔ اشتراکیت انسانی مساوات کے ادعا کے ساتھ اٹھی تھی' اس کا اجتماعی نظام سیاست مغرب و مشرق کی بہت سی اقوام کو متوجہ کر رہا تھا۔ فسطائیت بھی اپنا رنگ دکھا رہی تھی۔ سرمایہ دارانہ نظام کی جڑیں آج کی طرح اس وقت بھی بہت سے ممالک میں مستحکم تھیں۔ اقبال نے نئے اور پرانے نظاموں کا کھلی آنکھ کے ساتھ مشاہدہ کیا۔ انہوں نے اپنی شاعری میں کہیں بھی کسی ایک نظام ریاست کی تائید یا حمایت نہیں کی' بلکہ وہ اسلام کے پیغام عدل و مساوات کی روشنی میں ایک ایسے ریاستی ڈھانچے کی تشکیل چاہتے تھے' جس میں صرف اللہ کی حاکمیت ہو

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آزری

اقبال کا تصور ریاست ان کے تصور وطن سے تقویت پاتا ہے۔ اسلام وطن کے جغرافیائی تصور کی نفی کرتا ہے۔ اسلام میں رنگ' نسل' زبان' لباس اور تہذیب و ثقافت کی عصبیت کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام نے انسان کو محدود نسلی و علاقائی دائروں سے نکال کر انسانی برادری کی ایک کشادہ شاہراہ پر لا کھڑا کیا ہے۔ اسی لئے اقبال بھی وطن کے مغربی تصور کو غارت گر دین اور اس کے پیرہن کو مذہب کا کفن قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

یہ بت کہ تراشیدہ تہذیب نوی ہے
غارت گر کاشانہ دین نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھادے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملادے

اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے

خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے

اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے
قومیت اسلام کی رگ کٹتی ہے اس سے

اقبال نے مغرب کے تصور قومیت پر تنقید کرتے ہوئے مسلمانوں کو یاد دلایا کہ مسلم قومیت کے اجزائے ترکیبی میں عقیدہ اور نصب العین کو بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

اقبال کی زندگی ہی میں ترک قومیت اور عرب وطنیت کی روح بیدار ہوئی ۔ یہ دراصل انگریز کی مکار سیاست کا شاخسانہ تھا۔ اقبال نے ملت کو واضح الفاظ میں اس کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا۔ اسی دور میں ایک طرف سائنس کی پیش رفت کے نتیجے میں کائنات اور فطرت کے سربستہ راز کھل رہے تھے' زمان و مکان کے فاصلے سمٹ رہے تھے دوسری طرف الارض للہ کے اصول کو تسلیم کرنے والی قوم اہل مغرب کے فریب میں آکر محدود قومیتوں میں گرفتار ہو رہی تھی۔

اقبال نے اسلامی وحدت کی بنیاد پر ملت کے تصور کی ترجمانی کی ۔ گویا اقبال کا تصور ریاست وحدت ملی کا آئینہ دار ہے۔ ان کے نزدیک حکومت' سیاست اور شریعت الگ الگ نہیں ' بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہیں۔ اسلامی ریاست میں کسی فرد کی حاکمیت یا اقتدار نہیں ہوتا' اصل حاکمیت صرف اللہ کی ہے ' جس کی عملی ترویج ہی اصل منشائے دین ہے ۔ اقبال کو سیکولر نظام ریاست پر سب سے بڑا اعتراض یہی ہے کہ اس کا مقصود انسان کی بھلائی نہیں ہو سکتا بلکہ حصول اقتدار کی سیاست کا کھیل شروع ہو جاتا ہے ۔ اقبال مغربی جمہوریت پر بھی اس لئے تنقید کرتے ہیں کہ اس میں بظاہر عوام کی رائے کو معیار اقتدار بنایا جاتا ہے 'لیکن اس نظام میں سیاسی آمریت کی جملہ خرابیاں موجود ہیں۔ جمہوریت میں ایک طاقت ور طبقہ اپنے وسائل کے ذریعہ مسند اقتدار پر قابض اور متصرف ہو جاتا ہے۔ جمہوریت گروہی مناقشت کو ہوا دیتی ہے۔ حکومت' اختیار اور اقتدار کی تمام کلیں اکثریتی ووٹوں سے ابھرنے والے چند افراد کے ہاتھوں میں ہوتی ہیں ۔ جمہوریت میں عام آدمی کے پاس ووٹ کی صورت میں رائے دینے کے سوا کوئی حق نہیں ہوتا۔ گویا جمہوری نظام میں عوام اپنا اختیار خود اپنے ہی ہاتھوں سے اقتدار پرست ٹولے کے حوالے کر دیتے ہیں ۔ اقبال جمہوریت پر اس لئے بھی تنقید کرتے ہیں کہ اس نظام میں ووٹروں کی تعداد اصابت رائے پر فوقیت رکھتی ہے۔

ہے وہی ساز کہن ' مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردے میں نہیں غیراز نوائے قیصری
دیو استبداد ہے جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طب مغرب کے ثمر میٹھے اثر خواب آوری

اشتراکیت اقبال کے عہد میں نہایت تیزی سے ابھر رہی تھی ۔ اس نظام میں دنیا کی مجبور و مقہور اقوام کے لئے آزادی اور مساوات کی نوید سنائی گئی تھی۔ اشتراکیت میں انسان کی مادی احتیاج ہی کو اول و آخر تسلیم کیا گیا ہے ۔ اشتراکی نظام میں پیداوار کے تمام وسائل پر قومی ملکیت کی چھاپ لگا دی جاتی ہے ' ہر شے ایک طاقت ور طبقہ کے قبضہ اختیار میں آجاتی ہے اور انسان کی حیثیت مثل حیوان کے ہوتی ہے ' جو مادی ضرورتوں اور تقاضوں کے سوا کوئی خواہش یا احتیاج نہیں رکھتے ۔ اشتراکیت دراصل مغربی سرمایہ داری کے رد عمل میں ظہور پذیر ہوئی۔ اشتراکیت اور سرمایہ داری دونوں میں ایک مشترک قدر بھی ہے ۔ دونوں روح اور اخلاق کی نفی کرتے ہیں۔ ایک انسان کو بندۂ زر بناتی ہے اور دوسری بندۂ شکم ۔ اقبال نے اشتراکیت کے پیغام مساوات کو سراہا' لیکن بحیثیت ایک نظریہ یا نظام اسے کلی طور پر رد کیا ' کیونکہ اس کی بنیاد اللہ کی حاکمیت سے انحراف اور شرف آدمیت کی تذلیل پر استوار ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اقبال کس نظام سیاست کی تائید کرتے ہیں ۔ جیسا کہ بیان ہوا فکر اقبال کا بنیادی ماخذ قرآن اور اسوۂ رسولؐ ہے ۔ دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح وہ سیاست و ریاست کو بھی اسلامی نظریہ حیات کے آئینے میں دیکھتے ہیں ۔ اسلام کے نظام حکومت میں دین اور سیاست کا کوئی جھگڑا نہیں ' جیسا کہ بیان ہوا ' وطنیت ' رنگ و نسل ' قومیت سیکولرزم' جمہوریت اور اشتراکیت کی مروجہ صورتوں کی اسلام میں سرے سے کوئی گنجائش نہیں ہے ۔ خدا کی زمین پر زندگی بسر کرنے کے لئے انسان باہمی اشتراک و تعاون کے ضابطوں اور اجتماعی قوانین کا محتاج ہے۔ یہ ازلی حقیقت ہے کہ جس ذات نے کائنات اور انسان کو تخلیق کیا' اسی کے قانون اور ضابطے انسان کے فطری تقاضوں کی تہذیب و تکمیل کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے باری تعالیٰ نے انبیاء اور مرسلین مبعوث فرمائے ' جو نہایت پاک اور بلند فطرت پر پیدا کئے گئے ۔ اللہ تعالیٰ نے عالم کی قیادت و سیادت عہد بعہد انبیاء کرام کے سپرد فرمائی ۔ انسانوں کی رہبری اور ہدایت انبیاء کا فریضہ قرار پایا۔ زمین پر خلافت ربانی کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا اور تکمیل خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر ہوئی ۔ حضور اکرمؐ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا آغاز ہوا۔ خلفائے اربعہ کے عہد میں حضورؐ کی کامل پیروی اختیار کی گئی ۔ خلافت راشدہ کے بعد خلافت عامہ جسے ہم خلافت جابرہ بھی کہہ سکتے ہیں' کا دور آیا ۔ جس میں خلافت کو ملوکیت کے انداز میں اختیار کیا گیا ۔ اور طریقہ نبوت سے اکثر و بیشتر رو گردانی کی گئی۔ بعد ازاں مسلم ممالک میں ملوکیت ' آمریت اور خود مختاری کی راہیں اختیار کی گئی ' جس کے نتیجے میں ملی انتشار بڑھتا چلا گیا ۔ حتیٰ کہ موجودہ دور میں مسلمانوں کا کوئی ایک متفقہ نظام ریاست موجودہ نہیں ہے ۔ آج اکثر مسلم ممالک بدترین آمریتوں کے شکنجے میں کسے ہوئے ہیں ۔ بعض نے مغربی جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کر لیا ہے ' بعض اشتراکیت کی مساوات شکم کو عین اسلام سمجھ بیٹھے ہیں ۔ غرض قرآنی تعلیمات پر مبنی معاشرتی عدل و مساوات کا نظام آج کہیں موجود نہیں ہے اور دنیا یہ کہتی ہے کہ اسلام کا کوئی نظام حکومت سرے سے ہے ہی نہیں ۔ حالانکہ ہماری تاریخ میں خلافت راشدہ کا مثالی نظام چالیس برس تک دنیا کے ایک بڑے حصے پر رائج رہا۔ آج بھی اسلامی ریاست میں اگر اسلامی نظام رائج ہو تو اس کے خدو خال نظام خلافت سے ہی متعین کرنے پڑیں گے۔

نظام خلافت کی موجودہ عہد کے مطابق عملی تعبیر علمائے کرام کی بنیادی ذمہ داری ہے' جس سے وہ بدقسمتی سے صدیوں سے بری الذمہ چلے آتے ہیں ۔ بلکہ علماء کرام کی ایک قبیل ہر عہد کے آمروں اور خود مختار بادشاہوں کو اولی الامر کے درجے پر فائز کر کے امت کے گلے میں اطاعت کا طوق ڈالتی رہی ۔ اور یہ الزام کہ مسلمانوں کا کوئی سیاسی نظام نہیں ہے ' نظام خلافت سے انحراف کی وجہ سے عائد کیا جا رہا ہے۔

پاکستان اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ ملک اسلامی نظام ہی سے اپنا وجود برقرار رکھ سکتا ہے۔ اقبال نے جس پاکستان کا خواب دیکھا تھا اس کے وجود کی بقاء اسلام ہی کے عدل اجتماعی میں مضمر ہے۔ لہٰذا اگر ہم اسلام اور پاکستان کے ساتھ واقعی مخلص ہیں تو ہمیں اپنی سیاست، معاشرت، معیشت، تعلیم، تہذیب --- ہر شعبہ زندگی میں اسلام کی رہنمائی قبول کرنی ہوگی۔ ہمیں مغرب کے سیاسی و سماجی تصورات کی دریوزہ گری کرنے کی بجائے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے آئین کو جدید ضرورتوں اور تقاضوں کے مطابق اختیار کرنا ہوگا۔ اقبال نے بھی کہا تھا۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

اسلام کے تصور خلافت میں امیروقت عام لوگوں سے ممتاز نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی امارت و سیادت درویشی اور فقیری سے متصف ہوتی ہے۔ ریاست کا امیر ایک عام انسان ہوتا ہے۔ اس کے قول و فعل کی اساس خوف خدا ہے۔ اس کا رہن سہن دوسرے عام انسانوں سے بہتر نہیں ہوتا۔ اگر مملکت میں کوئی بھوکا ہو تو وہ اپنے لئے کھانا حرام کرلیتا ہے۔ وہ دوران سفر غلام کو بھی سوار ہونے کا حق دیتا ہے۔ امیر مملکت تمام رعایا کے حقوق اور ان کے جان و مال کی حفاظت کو اپنا فرض عین سمجھتا ہے۔ یہی وہ تصور خلافت ہے جس کے اقبال حامی ہیں چنانچہ کہتے ہیں۔

خلافت بر مقام ما گواہی است
حرام است آنچہ برما پادشاہی است
ملوکیت ہمہ مکر است و نیرنگ
خلافت حفظ ناموس الٰہی است

رہا یہ سوال کہ موجودہ دور میں نظام خلافت کی عملی صورت کیا ہونی چاہیے، جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا، یہ علما اور اہل دانش کی ذمہ داری ہے، جس سے انہیں بہرحال عہدہ برا ہونا ہے۔

اعتذار

"ندائے خلافت" کا گزشتہ شمارہ جس پر ۸ر فروری کی تاریخ درج ہوئی، بوجوہ شائع نہیں ہو سکا اس کے لئے ہم قارئین سے معذرت خواہ ہیں!

"بوسنیا کے مظلوم بچے" — حکیم محمد سعید صورت حال کی وضاحت فرماتے ہیں

"ندائے خلافت" کی ۴ر فروری کی اشاعت میں محترم حکیم محمد سعید صاحب کا خط شائع ہوا تھا جس میں مسلمانوں سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ بوسنیا کے مظلوم بچوں کی کفالت کی ذمہ داری قبول کریں اور ان کے سروں پر دست شفقت رکھیں۔ اس کے جواب میں ہمارے بہت سے صاحب درد قارئین نے پیشکش کی کہ وہ ان بچوں کو گود لینے اور ان کی سرپرستی کرنے کے لئے تیار ہیں بلکہ بہت سے کرمفرما ان بچوں کے بڑی بے تابی سے منتظر تھے جبکہ یہ واضح نہیں ہو رہا تھا کہ بچے کب آئیں گے اور کس طور سے ان کے حوالے کئے جائیں گے۔ حکیم صاحب کا زیر نظر مکتوب جو انہوں نے مدیر ندائے خلافت کے نام تحریر فرمایا تھا، صورت حال کی بھرپور طور پر وضاحت کرتا ہے۔ (ادارہ)

عزیز محترم
السلام علیکم ورحمتہ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ

قلب یورپ میں ایک اسلامی ملک بوسنیا کا وجود جب ناقابل برداشت ہوا تو غیر اسلامی طاقتیں اس غریب ملک پر ٹوٹ پڑیں، وہاں یورپ کے انسانوں نے درندوں کا روپ اختیار کرکے موت کا بازار گرم کردیا اور قیامت برپا کرکے مسلمانان بوسنیا کا قتل عام کیا۔ عزتوں کو لوٹا، عظیم نونہالوں کو یتیم کردیا۔ ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ پاکستان کا ہر دل اس صورت حال سے بیقرار ہوا۔ میرا دل بھی بے حال ہوا اور میں نے عالم اضطرار میں اہل پاکستان کو توجہ دلائی کہ وہ غور فرمائیں اور اس صورت حال کا حل تلاش کریں کہ نونہالان بوسنیا کی حفاظت کیسے کی جائے، ان کو کس طرح موت کے چنگل سے نکالا جائے اور زندگی کے شدائد سے محفوظ کیا جائے۔

میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سربہ سجود ہوں اور سجدہ شکر بجا لاتا ہوں کہ اہل پاکستان نے نہایت والہانہ میری آواز پر لبیک کہا اور سینکڑوں نہیں ہزاروں تک تعداد پہنچ گئی۔ میرے عظیم وطن کے عظیم انسانوں نے نونہالان بوسنیا کے لئے اپنے آغوش وا کردئے اور ان کو اپنی پیاری اولاد بنا لینے کا فیصلہ کیا اور اس نہایت والہانہ فیصلے سے مجھے بذریعہ خط آگاہ کیا۔

میں نے ذمہ داران بوسنیا سے رابطہ قائم کیا اور آخر کار بوسنیا کی سفیر محترمہ سلاجک صاحبہ سے تفصیل کے ساتھ تبادلۂ خیال کیا۔ میں نے پاکستان کے صاحبان فیصلہ سے بھی رابطہ قائم رکھا ہے۔ اب صورت حال یہ سامنے آئی ہے کہ حکومت بوسنیا اپنے بچوں سے محروم ہونا نہیں چاہتی ہے، بلاشبہ یہ ایک انسانی اور مادری پدری جذبہ ہے جو فراواں ہے۔ نوجوانان بوسنیا نے حفاظت وطن کے لئے اپنی جانیں قربان کردی ہیں۔ ماؤں نے جام شہادت نوش کرلیا ہے۔ حفاظت وطن کے لئے مرد قربان ہوئے ہیں۔ اب بوسنیا کے نونہال ہی ملک بوسنیا کے نوجوان ہوں گے۔ اور مرد ہوں گے۔ عورتیں ہوں گی۔ اور جذبہ صادق کی قدر کرنی چاہیے کہ شدید ابتلاء کے باوجود بوسنیا اپنے پیارے نونہالوں سے محروم ہونا نہیں چاہتا۔ ان کی آرزو اور تمنا ہے کہ مختلف ممالک ان نونہالان بوسنیا کی موجودہ شدائد موسم، شدائد بے آب و دانہ اور شدائد امراض سے حفاظت کا سامان کریں اور بوسنیا کے حالات کے سازگار ہونے تک دردمندان عالم ان بچوں کو اپنے حفظ و پناہ میں لے لیں اور نصرت جب آجائے اور فتح مبین جب مقدر ہوجائے تو یہ نونہالان بوسنیا اپنے وطن واپس چلے جائیں۔

حکومت بوسنیا کے اس فیصلے کے بعد نونہالان بوسنیا کو گود لینے کی سعادت حاصل نہیں ہوگی۔ اب ہم اس طرح غور و فکر کررہے ہیں کہ نونہال بوسنیا کو پاکستان میں کس طرح اور کہاں پناہ دیں اور ان کو اپنا بچہ سمجھ کر ان کو آزاد بوسنیا کا باوقار شہری بنا دینے میں کس طرح مدد کریں۔ اب میں غور و فکر کررہا ہوں۔ خود حکومت پاکستان بھی متفکر ہے اور چند اقدامات پیش نظر ہیں۔ ان بچوں کے ساتھ کسی بھی صورت میں تعاون کے سلسلے میں آپ پاکستان میں بوسنیا کی سفیر سے رابطہ کرسکتے ہیں۔ ان کا پتہ درج ذیل ہے۔

Ms. SaJida Fadzida SilJgzic House No 4 Street No. 24
F-8,2 Islamabad

میں آپ کے جذبہ صادق اور نونہالان بوسنیا سے والہانہ محبت کی بھرپور قدر کرتا ہوں اور آپ کا بہ صمیم قلب شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری آواز پر لبیک کہا۔ میں اپنی محبت و احترام کا آپ کو پورا یقین دلاتا ہوں۔

آپ کا مخلص حکیم محمد سعید

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار!

شہر لاہور میں جلسہ خلافت کا انعقاد

خلافت کے جلسوں کا دوسرا راؤنڈ

تنظیم اسلامی لاہور شہر کے زیر اہتمام بدھ ۱۰ر فروری کو چوبرجی کوارٹرز گراؤنڈ میں جلسہ خلافت منعقد ہوا۔ جلسے کا باقاعدہ آغاز حسب پروگرام ساڑھے آٹھ بجے رات قاری مقبول صاحب کی خوبصورت تلاوت قرآن مجید سے ہوا۔ اس سے قبل قرآن کالج کے طالب علم محمد سلیم ضیاء حاضرین کے سامنے معاشرے کی تیزی سے بگڑتی ہوئی حالت زار بیان کررہے تھے۔ انہوں نے داعی تحریک نظام خلافت' ڈاکٹر اسرار احمد کے فکر اور جدوجہد پر روشنی ڈالتے ہوئے لوگوں کو یہ احساس دلانے کی کوشش کی کہ نظام خلافت کے قیام کی جدوجہد ہر مسلمان کی دینی ذمہ داری ہے اور انہیں آگے بڑھ کر اس میں بھرپور حصہ لینا چاہیے۔

تلاوت قرآن پاک کے بعد جناب فیاض حکیم صاحب جنہیں اسٹیج سیکرٹری کے طور پر فریضہ انجام دینے کا کام سونپا گیا تھا' قرآن کالج کے ہی ایک طالب علم عبدالرحمٰن ڈار کو نعت رسول مقبولؐ کے لئے دعوت دی' اس کے بعد اشرف وصی صاحب نے قیام پاکستان سے لے کر اب تک نفاذ اسلام کے لئے یہاں کی جانے والی کوششوں کا مختصرا جائزہ پیش کیا اور بتایا کہ کس طرح ہم نے نفاذ اسلام کو مروجہ انتخابی سیاست کے ساتھ گڈمڈ کرکے اصل منزل کو مزید دور کردیا ہے۔ اور حالت یہ ہوگئی ہے کہ غیر اسلامی قوانین کو اسلام کا نام دے کر تحفظ فراہم کیا جارہا ہے۔

جلسہ کے مرکزی مقرر' ڈاکٹر عارف رشید نے نہایت خوبصورتی اور اختصار کے ساتھ نظام خلافت کی اہم خصوصیات بیان کیں۔ اور بتایا کہ ہمارے تمام معاشی' معاشرتی اور سماجی مسائل کا حل یہ ہے کہ یہاں صحیح معنوں میں اسلام کا نظام عدل اجتماعی قائم ہو اور اس کے لئے نظام خلافت کا قیام ناگزیر ہے۔

آخر میں صدر جلسہ' جناب سید معین الدین شاہ صاحب ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان نے اپنے مخصوص انداز میں حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس گئے گزرے دور میں بھی مسلمان ایک عظیم قوم ہیں' یہی وجہ ہے کہ یورپ اور امریکہ آج بھی اسلام کی قوت سے خائف نظر آتے ہیں۔ اور اس کے آگے ہر طرح کی رکاوٹیں کھڑی کرنے میں مصروف ہیں' لیکن غلبہ ان شاء اللہ اسلام کو حاصل ہوگا۔ کیونکہ یہ مشیت ایزدی ہے کہ حق غالب ہو۔ تاہم انہوں نے کہا کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اپنی اصلاح نہ کریں۔ اور جیسے بھی ہیں سمجھیں کہ فتح ہماری ہوگی۔

ناظم تحریک خلافت عبدالرزاق صاحب کی دعا پر ساڑھے دس بجے یہ جلسہ اختتام پذیر ہوا۔ حاضرین کی ایک بہت بڑی تعداد نے جو لگ بھگ پانچ سو کے قریب تھی' بڑی دلجمعی کے ساتھ شروع سے آخر تک' اس میں شرکت کی' جو اس بات کا اظہار تھا کہ اب بھی کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو دین کے ساتھ اپنی وابستگی کو باقی ہر شے پر ترجیح دیتے ہیں۔

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک اہم تالیف

راہِ نجات

سُورۃ العصر کی روشنی میں

جو ایک نہایت وقیع تحریر اور ایک حد درجہ جامع تقریر پر مشتمل ہے

کا نیا ایڈیشن نئی آب و تاب اور عمدہ کتابت و طباعت کے ساتھ شائع ہوگیا ہے

قیمت اعلیٰ ایڈیشن: -/۳۰ روپے (مضبوط دیدہ زیب جلد' سفید کاغذ)

" اشاعتِ عام: -/۱۰ " (غیر مجلد' دبیز اخباری کاغذ)

شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' ۳۶- کے' ماڈل ٹاؤن'

بقیہ نقطہ نظر

ضرورت کی اشیاء اگر انہیں جیل میں بھیجنے کی کوشش کی جائے تو انہیں راستہ سے اڑا لیا جاتا ہے تو قیدیوں کی بیویوں کو جیل میں اپنے شوہروں تک پہنچتے پہنچتے کن کن بھیڑیوں کا نشانہ بننا پڑے گا' کیا اس پر بھی غور کیا گیا ہے!!

اصل بات یہ ہے کہ قوانین میں جزوی ترامیم ہمارے مسائل کا حل نہیں بلکہ حل ہے تو صرف مکمل اسلامی انقلاب میں جس کے لئے انہی خطوط پر جدوجہد کی ضرورت ہے جن پر داعی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے انقلاب برپا کیا۔ یہ عمل ایوان اقتدار سے شروع نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ بلکہ اس کا نقطہ آغاز گھر کی چار دیواری ہے۔ پہلے خود اپنے آپ پر اسلام کو نافذ کیجئے۔ اپنے گھر والوں' عزیز و اقارب اور دوست احباب کے حلقے سے ہوتے ہوئے آگے بڑھئے۔ خود بھی طے کیجے کہ میری نماز میرا مرنا' میرا جینا' میری قربانی اور میری نیاز سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے" اپنے قول و عمل سے دوسروں کو قائل کیجئے اس طرح معاشرے میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوگا جو برائی کو طاقت سے مٹانے کی خاطر اپنا تن من دھن لگادے گا۔ برائی کا سدباب قربانیاں چاہتا ہے۔ صدارت اور وزارت کے راستے یہ کام ممکن نہیں۔

بقیہ واقعات عالم

سکتا ہے۔ ایک خاتون نے کہا ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ کونسی تعلیم سچی ہے اور کونسی نہیں۔ جب مسلمان مولوی آئے گا تو ہم اس کو بھی مانیں گے اور کوئی امریکی پریسٹ آئے تو اس کو بھی مانیں گے۔ البانیہ سے کیمونزم سسٹم ختم ہوا' کیمونسٹ تو ختم نہیں ہوئے۔ لہٰذا بہت سے لوگ ایسے مل جائیں گے جو یہ کہتے ہیں کہ ہم کسی چیز پر یقین نہیں رکھتے۔ عیسائی مبلغین کی البانیہ پر یکلخت یلغار کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہاں چونکہ کیمونزم کے دور میں کسی قسم کی مذہبی تعلیم کی بالکل اجازت نہیں تھی اور اس وقت کوئی بھی کسی مذہب کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ عیسائی مبلغین یہاں کے مسلمانوں کی اس کمی سے پورا پورا فائدہ اٹھانا جانتے ہیں اور اٹھانا چاہتے ہیں' بہت سی چھوٹی بڑی کتابوں کے ترجمے ہو کر دھڑا دھڑا آرہے ہیں۔ عالمی شاطر بھی یورپ سے مسلمانوں کو نکالنے کے لئے یا قتل کرنے کے لئے جیسا کہ بوسنیا میں کررہے ہیں اور یا پھر ان کو بدلنے کے لئے جیسا کہ البانیہ میں کررہے ہیں پوری طرح مصروف ہوچکے ہیں۔ پہلے انہوں نے قرطبہ کے میناروں کو خاموش کیا پھر انہوں نے ترکی کی سلطنت عثمانیہ کی دھول اڑائی' عربوں کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کرکے کمزور کیا' یورپی حصے کو چار مختلف علاقوں میں بانٹا' اب پھر یہ اسی تاریخ کو دھرا رہے ہیں۔

البانیہ پر یلغار کی ایک نہایت مکروہ صورت اٹلی کا ٹی وی سٹیشن ہے۔ البانیہ یورپ میں شامل ہونے کے باوجود کیمونزم کنٹرول کی وجہ سے اس خباثت سے بچا رہا ہے۔ اب ہر طرح کے بند کھل چکے ہیں' آزادی کا دور دورہ ہے' مکمل ننگی معاشرت البانیہ میں گھسنے کے لئے راستے تلاش کررہی ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اولاً پاکستان اور دوسرے مسلمان ممالک یہاں اپنے سفارت خانے کھولیں۔ پاکستان سے دعوت اور تبلیغ اسلام کے لئے مسلمان علماء اور مبلغین مسلسل آئیں' یہاں سے مسلمانوں بچوں کو اور بچیوں کو تعلیم اور صحیح تربیت کے لئے پاکستان بھیجا جائے تاکہ یہ تمام بچے جو کہ دینی تعلیم سے آراستہ ہو کر آئیں اپنے علاقوں میں مکاتب اور مدرسہ وغیرہ چلا سکیں۔ یہاں کے ٹی وی سٹیشن کے لئے اسلام کے بارہ میں دلچسپ' مفید اور صاف ستھرے پروگرام بھیجے جائیں۔ سب سے زیادہ ضرورت یہ ہے کہ تمام عالم کے مسلمان اس خطہ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں' قنوت نازلہ پڑھی جائے۔ اس بات کا بھی خطرہ محسوس کیا جارہا ہے کہ بوسنیا کے بعد عیسائی البانیہ کے ساتھ جنگ نہ چھیڑ دیں۔ اللّٰھم انصر المسلمین والمسلمات

بقیہ تراشے

چھوڑتی ہیں۔ وہ انہیں سکول کی بسوں پر بم پھینکنے جیسی دہشت گردی کے بارے میں آگاہ کرتے ہیں اور دوسری قسم کی مزاحمتی سرگرمیاں اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں' خاص کر سفارتی سطح پر جدوجہد اور ابلاغ عامہ کا دانش مندانہ استعمال۔

یو۔ این۔ پی۔ او نے بہت حد تک اقوام متحدہ کے متبادل کے طور پر کام کرنے کے تقاضے پورے کئے ہیں۔ اس کا ہر رکن اپنا قومی جھنڈا استعمال کرتا ہے جس میں خصوصیت کے ساتھ سبز پٹی امید کا اظہار کرتی ہے۔ ادارے کی کئی کمیٹیاں' ذیلی کمیٹیاں اور علاقائی دفاتر ہیں۔ مختلف وفود گھنٹوں تقریروں پر تقریریں کرنے میں صرف کرتے ہیں۔ جب کوئی مقرر تقریر کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو چیئرمین اس طرح کے الفاظ سے خیر مقدم کرتا ہے مثلاً "اب ہم امرت قومی تحریک کے معزز راہنما کی تقریر سنیں گے"۔

یو۔ این۔ پی۔ او کی روزافزوں ارکان کی تعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک ضرورت پوری کررہی ہے۔ سرد جنگ کے دور میں قومی آزادی کی تحریکیں عموماً سوویت یونین کا رخ کرتی تھیں۔ جو اس میں ناکام رہتے وہ مغرب کا سہارا لیتے۔ اب سوویت یونین کا دروازہ تو بند ہوا اور مغرب کو ویسے روسی اثرات کی پیش بندی کی ضرورت نہیں رہی لہٰذا آزادی کی جدوجہد اور اپنی ریاستیں قائم کرنے والوں کے لئے صرف یو این پی او کا پلیٹ فارم ہے۔ قومی تشخص کی خواہش مند تحریکوں میں اضافے کے امکانات پر اکثر عالمی راہنما فکر مند ہیں۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل 'بطروس غالی نے اپنی ایک حالیہ تقریر میں خبردار کیا کہ چھوٹی چھوٹی قومیتوں کے فروغ سے عالمی برادری کو خطرہ لاحق ہے۔ اگر اسی رفتار سے یہ اضافہ ہوتا رہا تو موجودہ صدی کے اختتام تک اقوام متحدہ کے ارکان کی تعداد ایک سو اسی سے بڑھ کر تین سو تین ہوسکتی ہے۔ اس کے تدارک کے لئے انہوں نے مشورہ دیا کہ ہمیں ریاستوں کے ٹکڑوں میں تقسیم ہونے کی بجائے ان کے اکٹھے ہونے کی حوصلہ افزائی کرنا چاہیے' جیسا کہ یورپی برادری کے رکن ممالک کررہے ہیں۔

نظریاتی اعتبار سے بطروس کا کہنا غلط نہیں لیکن ۱۹۹۰ء میں پیش آمدہ واقعات سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ دنیا کے کروڑوں انسان اپنا اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے وہ جان کی بازی لگانے کو تیار ہیں خواہ یہ کتنا ہی عجیب نظر آئے۔ ساری باتیں جذباتی ہوں اور سارے جھگڑے بالکل معمولی نوعیت کے ہوں لیکن "یونائیٹڈ نیشنز اینڈ پیپلز آرگنائزیشن" تاریخ کے دھارے کے ساتھ بہرحال آگے بڑھ رہی ہے اور یہی رفتار رہی تو ۱۹۹۴ء میں اگلے اجلاس کے موقع پر ایک سو قبیلوں اور جلاوطن حکومتوں کی اسے نمائندگی حاصل ہوگی۔ بعض بے ضرر محض خواب دیکھنے والے اس میں شامل ہوں گے لیکن اچھی خاصی تعداد خونی لڑائیاں لڑنے والوں کی ہوگی اور کچھ ایسے بھی ہوں گے جو اسے قومی ریاستوں کی برادری میں ایک مقام دلا سکیں۔

محرومی سے دوچار اقوام کی الگ "اقوام متحدہ"

سرد جنگ کے بعد "فریادیوں" کی نئی جائے دہائی

اخذ و ترجمہ: سردار اعوان

(سکاٹ سلی وان)

ہر ایک اپنی الگ حکومت بنانے کی فکر میں ہے' یہاں تک کہ "اسیریا" جیسی قدیم تہذیبوں کے باقی ماندہ افراد اپنی الگ حکومت بنانا چاہتے ہیں۔ یہی مقامی قبائیلیوں کا معاملہ ہے۔ مثال کے طور پر آسٹریلیا کے "مسائی" Masai اور "ابور یجنلز" Aboriginals قبائل' بحرالکاہل میں "باؤگین وائیل" Bougainville جیسے دور افتادہ چھوٹے چھوٹے جزیروں میں رہنے والے اقوام متحدہ میں نشست حاصل کرنے کی امیدیں باندھ رہے ہیں۔ شمالی امریکہ کی "مہاؤکس" Mohawks جیسی امن وامان سے زندگی بسر کرنے والی قومیں ماضی کی شان وشوکت دوبارہ حاصل کرنے کا خواب دیکھ رہی ہیں۔ سینکڑوں کی تعداد میں مختلف النوع گروہوں کی طرف سے اپنی اپنی ریاستیں قائم کرنے کی جدوجہد مستقل وطیرہ بنتا جا رہا ہے جو نوآبادیاتی نظام اور سرد جنگ کے خاتمے کے بعد دنیا کے لئے ایک نیا خطرہ ابھر کر سامنے آرہا ہے۔

گذشتہ ہفتے ساٹھ سے زائد نئی ابھرنے والی قومیتوں کے نمائندے "ہیگ" میں جمع ہوئے تاکہ اپنے مقاصد کی تشہیر اور ان کے حصول کے لئے قوت حاصل کر سکیں۔ ۱۹۹۱ء میں قائم ہونے والے "غیر نمائندہ اقوام اور عوام کے ادارہ (یو۔ این۔ پی۔ او) کی جنرل اسمبلی کا یہ تیسرا سالانہ اجتماع تھا۔ اس ادارہ کے چاروں بانی ارکان' اسٹونیا' لٹویا' آرمینیا اور جارجیا اس دوران میں اپنی مملکتیں قائم کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں اور اس کے باقاعدہ اراکین کی تعداد چھ سے بڑھ کر بتیس ہو چکی ہے جبکہ انیس رکنیت حاصل کرنے کے منتظر ہیں۔ ادارہ کی توسیع سے جہاں نئے مواقع پیدا ہوئے ہیں وہاں مسائل میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ ایک طرف مالی مشکلات پریشانی کا باعث ہیں تو دوسری طرف ادارہ کا ایک سرگرم رکن "ابخازیا" Abkhazia ایک پرانے رکن "جارجیا" سے آزادی حاصل کرنے کے لئے بھرپور جنگ کی تیاری کر رہا ہے۔ ۱۹۶۰ء میں نوآبادیاتی نظام سے چھٹکارا حاصل کرنے اور ۱۹۸۹ء میں سرد جنگ کے خاتمہ کے بعد جس طرح کی دشمنیاں جنم لے رہی ہیں' یہ جنگ ان کی صرف ایک مثال ہے۔ جن اقوام کے خلاف اپنے ہی عوام کے استحصال اور انہیں نیست ونابود کرنے تک کے الزامات عائد کئے جا رہے ہیں ان میں اکثریت ایسے ممالک کی ہے جو اس سے پہلے خود نوآبادیاتی نظام میں جکڑے ہوئے تھے۔ اس کے لئے بھارت' انڈونیشیا اور نائجیریا کی مثال دی جا سکتی ہے۔ حال ہی میں آزاد ہونے والی بالٹک ریاستیں پیشتر اس کے کہ جمہوری راہ اختیار کرپاتیں وہاں کی روسی اور یوکرینی اقلیتیں تعصب اور نسلی بنیادوں پر روا ظلم وتشدد کی دہائی دے رہی ہیں۔ یوگوسلاویہ میں سلوینیا کروشیا اور بوسنیا کی علیحدگی سے جو خانہ جنگی ہو رہی ہے اس سے وسطی یورپ کے امن کو خطرہ لاحق ہوچکا ہے' سابق یوگوسلاویہ میں جاری شدید جنگ اکیلی نہیں' درجنوں ایسے مقامات ہیں جہاں مرکز کی حامی اور آزادی کے لئے لڑنے والی طاقتیں آپس میں برسر پیکار ہیں۔ انڈونیشیا میں تمور کے مشرق میں واقع جزیرے کے باغی کہتے ہیں کہ ۱۹۷۵ء سے لے کر اب تک وہ دو لاکھ جانیں دے چکے ہیں۔ ایک عجیب و غریب نام کی تنظیم "مشرقی ترکستان ثقافتی ایسوسی ایشن" کے ترجمان نے چین پر الزام عائد کرتے ہوئے بتایا کہ لاکھوں ترک بھائی قتل کئے گئے ہیں۔ بھارتی پولیس اور فوج تیس چالیس افراد کو روزانہ خالصتان میں جو پنجاب کے نام سے جانا جاتا ہے' قتل کررہی ہے۔ عراق میں رہنے والے کرد اور ترکمان صدر صدام کے ظلم وستم کا رونا روتے ہیں۔

آزادی کے لئے چلائی گئی بعض تحریکیں حقیقی سے زیادہ زبانی کلامی ہیں۔ گذشتہ اجلاس میں سویڈن سے سکانی اور سوئٹزرلینڈ سے جراسک باشندوں نے بھی اپنے نمائندے بھیجے جو بظاہر ایک معدوم زبان اور ثقافت کی نمائندگی کررہے تھے۔ لاس انجلس سے بمن شاباشا کا اصرار تھا کہ وسطی افریقہ میں ایک وسیع پٹی جو کبھی نائیگر یٹیا کے نام سے جاتی جاتی تھی' درحقیقت ان افریقیوں کی ملکیت ہے جنہیں امریکہ والے غلام بنا کر لے گئے تھے۔ "جنوبی ڈکوٹا" سے آئے ہوئے رچرڈ گراس نے جن کے دادا نے جنرل کسٹر کے خلاف لڑائی لڑی' کہا کہ امریکہ میں لوسیانا اور موجودہ کینیڈا کا خاصا بڑا حصہ ان کی لکوتا قوم کی ملکیت ہے۔

گذشتہ ہفتے منعقد ہونے والے اجلاس میں زیادہ تر مسائل پر اتفاق رائے کا اظہار ہوا' عروج حاصل کرنے کی آرزو مند ساری قومیں اس پر متفق تھیں کہ حق خود اختیاری کے حصول کی جدوجہد کوئی جرم نہیں۔ تمام شرکاء نے اس مفروضہ کی تائید میں باتیں کیں کہ بڑی بڑی قومیں فطرتی طور پر اپنا تسلط قائم رکھنے کی طرف مائل رہتی ہیں۔ مگر نمائندگی سے محروم ان قوموں میں ہم آہنگی ایک حد تک ہی برقرار رہی۔ گذشتہ ہفتے آزادی کی چوبیس تحریکوں نے "یو این پی او" کی رکنیت کے لئے درخواست دی۔ صرف دس کو رکنیت دی گئی۔ جن کو انکار کیا گیا وہ غصے سے بھرے ہوئے تھے۔ کیسری رنگ کی خوبصورت پگڑی اور گتھی ہوئی مونچھوں والے سکھ' گورمیت سنگھ اولکھ کا سوال تھا کہ خالصتان کے سکھ کس بات کے قصوروار ہیں کہ انہیں رکنیت نہیں مل رہی۔ موہاوک قوم کے نمائندہ رچرڈ سی لا فرانس نے کہا کہ دو سال پہلے ہم بھائیوں کی طرح تھے' آج ہم ایک دوسرے پر انگلیاں اٹھا رہے ہیں۔ کل آپ میں سے آزاد ہونے والی قومیں اپنی ہی اقلیتوں پر بندوق لئے کھڑی ہوں گی۔ ادارہ کے بانی اور سیکرٹری جنرل میکائل وان والٹ جو ساو ڈچ وکیل ہیں ان مشکلات سے بے خبر نہیں کہ قومیتوں پر مشتمل بھیڑوں کو بکریوں سے کس طرح الگ کیا جائے۔ ادارہ کی رکنیت کے لئے معیار یہ ہے کہ تنظیم کسی مسلمہ جغرافیائی علاقے پر دعوئ رکھتی ہو (گویا کالے مسلمان اس کے اہل نہیں) اپنے عوام کی اسے نمائندگی حاصل ہو اور دہشت گردی کے خلاف ہو۔ وان والٹ تسلیم کرتے ہیں کہ ادارے کے سرگرم رکن ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہیں جو دہشت گردی' اور مسلح جدوجہد کے درمیان بہت کم فاصلہ

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36 -K,Model Town Lahore-

ہم مغرب سے مقابلہ کرتے ہیں

....اور اُن ہی کی سرزمین پر!

ہم اپنے گارمنٹس، بیڈلنن اور ٹیکسٹائل کی دیگر مصنوعات مغربی ممالک، اسکینڈی نیوین ممالک، شمالی امریکہ، روس اور مشرق وسطیٰ کے ملکوں کو برآمد کرتے ہیں اور ہماری برآمدات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ لیکن بیرونی منڈیوں میں اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لئے ہمیں انتھک محنت کرکے اپنی فنی مہارت اور معلومات میں مستقل اضافہ کرتے رہنا پڑتا ہے۔ ایسی محنت جو ہمیں ٹک کر دم نہیں لینے دیتی، ایسی محنت جو ہماری کارکردگی کے معیار کو اور بلند کرتی ہے، ایسی محنت جو کوالٹی، ڈیزائن اور پابندی وقت کے سلسلے میں کرم فرماؤں کے مطالبات اطمینان بخش طریقے پر پورا کرنے کا ہمیں اہل بناتی ہے۔

Made in Pakistan
Registered Trade Mark

Jawad

جہاں شرط مہارت
وہاں جیت ہماری

معیاری گارمنٹس تیار کرنے اور برآمد کرنے والے

ایسوسی ایٹڈ انڈسٹریز (گارمنٹس) پاکستان (پرائیویٹ) لمیٹڈ

IV/C/3-A ناظم آباد، کراچی - 18 - پاکستان - فون 610220-616018-628209
کیبل "JAWADSONS" ٹیلیکس 24555 JAWAD PK فیکس 610522 (92-21)